حیاتِ مسیح اور ختمِ نبوت

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

۱۴۱۹

نور محمد قریشی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیات مسیح اور ختم نبوت

﴿مولانا قمر احمد عثمانی کے نقطہ نظر کا جائزہ﴾

حیات مسیح اور ختم نبوت

﴿مولانا قمر احمد عثمانی کے نقطۂ نظر کا جائزہ﴾

نور محمد قریشی

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز

بیت الحکمت لاہور

۲۳۲٫۹۰۱ قریشی، نور محمد
ق ۶۰۰ ح حیات مسیح اور ختم نبوت
لاہور: انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز
بیت الحکمت، ۲۰۰۳ء
۱۵۲ ص
ا۔ ختم نبوت ۔ تقابل ادیان
ISBN 969-8773-07-X

کتاب : حیات مسیح اور ختم نبوت

مصنف : نور محمد قریشی

اہتمام : انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز
بیت الحکمت، لاہور

مطبع : انتخاب جدید پریس، لاہور

قیمت : ۹۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 7320318
ای میل: hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ
فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی ۲۲۱۲۹۹۱ ـ ۰۲۱

انتساب

ان مجاہدین کے نام
جو ختمِ نبوت کے محاذ پر اپنے اپنے وقت میں دادِ شجاعت دیتے رہے اور حسبِ استطاعت و استعداد مسیلمہ پنجاب کی نبوت کاذبہ کا پردہ چاک کرتے رہے، بالخصوص بیسویں صدی کے مجاہد کبیر شہید جنرل محمد ضیاء الحق" کے نام جس کی ایک ہی ضرب کلیمی سے انگریز کے اس
"خود کاشتہ پودا"
کو صلیب پرست انگریز کے دیس میں اسی کے سایہ صلیب میں پناہ لینا پڑی۔

(نور محمد قریشی ایڈووکیٹ)

نبوّت

میں نہ عارف، نہ مجدّد، نہ محدّث، نہ فقیہہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوّت کا مقام
ہاں مگر عالمِ اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیرِ فلکِ نیلی فام!
عصرِ حاضر کی شبِ تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
"وہ نبوّت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوّت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام!"

ضربِ کلیم۔ علامہ محمد اقبالؒ

ترتیب

حرفِ اوّل

قارئین کی خدمت میں یہ ہے کہ میں بھی آپ کی طرح ایک عام آدمی (LAYMAN) ہوں اور میں نے ایک عام آدمی کی حیثیت سے مسئلہ "حیاتِ مسیح اور ختمِ نبوت" کو جس طرح سمجھا ہے' بیان کر دیا ہے۔ میری تحریر بھی ایک عام آدمی (LAYMAN) کے لیے ہی ہے نہ کہ کسی عالمِ دین کے لیے کیونکہ ایک عالمِ دین کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے نہ ہی وہ قادیانی اُمت کے دامِ فریب میں آتا ہے۔

گزشتہ سو سال میں اس موضوع پر بہت دقیع کام ہوا ہے جس کا کچھ حصہ میری نظر سے بھی گزرا ہے لیکن میری رائے میں اس سے صرف علماء کرام ہی استفادہ کر سکتے ہیں' ایک عام آدمی کی ذہنی سطح سے وہ بہت بلند ہے۔

قادیانی اُمت کی شکارگاہ بھی عام مسلمان ہیں اور اسے پھنسانے کے لیے قادیانی اُمت اسی مسئلہ کو استعمال کرتی ہے۔ کوئی قادیانی کبھی بھی مرزا غلام احمد کے صدق و کذب پر بات کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا کیونکہ مرزا غلام احمد کو سچا ثابت کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

مجھے توقع ہے کہ میری یہ تحریر عام آدمی کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ میری تحریر میں اگر کوئی سقم ہو تو اس کی وجہ میری کم علمی ہوگی اور اگر اس میں کوئی خیر ہے تو یہ میرے رب کے فضل کی وجہ سے ہے' میں قاری سے درخواست کروں گا کہ وہ میری اس دعا پر آمین کہے۔

"اے میرے رب میری اس تحریر کو پُر اثر بنا دے اور حشر کے روز اسے میری نجات کا بہانہ بنا دے۔" آمین

نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

تقریظ

جناب نور محمد قریشی کوئی روایتی مولوی یا مناظر نہیں ہیں' وہ ایک جدید تعلیم یافتہ قانون دان ہیں اور دلِ دردمند کے مالک۔ ان کی نگاہ تیز اور گہری ہے' مسائل کی تہہ تک اُترنے کی عادی' حیاتِ مسیح علیہ السلام اور مرزا غلام احمد کے دعاوی ان کی دلچسپی کا مرکز بن چکے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر پہلے بھی قلم اُٹھایا اور اپنا لوہا منوایا ہے۔ اپنے مقالے کے جواب میں ایک تحریر پر اب انہوں نے جوابی مقالہ لکھا ہے اور ایک ایک نکتے کا جواب اس طرح دیا ہے کہ جیسے اعلیٰ عدالت میں کھڑا صفِ اوّل کا کوئی قانون دان کسی تیسرے درجے کے منشی کی گفتگو کا جائزہ لے رہا ہو۔

ان کی تحریر پڑھنے کے بعد کسی سلیم العقل کو یہ کہنے کا یارا نہیں رہتا کہ مسیح علیہ السلام کی دوبارہ اس دنیا میں آمد کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ ان کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے نبوت کا منصب پانے والے کسی فرد کا زندہ ہونا یا زندہ ہو جانا ختمِ نبوت کے عقیدے کو متاثر نہیں کرتا۔ وہ اس کے باوجود خاتم النبیینؐ ہیں اور ان کی اس حیثیت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے اور اس آفتاب کے طلوع کے بعد جو نبی آئے گا' وہ اس کی طرف رُخ کرنے پر مجبور ہو گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اس کا مقدر ہو گی۔

قریشی صاحب نام کے نور محمد ہیں لیکن ان کے اسلوب میں بھی ''نورِ محمدؐ'' موج زن ہے۔

انہوں نے ایک ایک لفظ خوب سوچ سوچ کر لکھا ہے اور ان کی تحریر ایسی ہے کہ جو کسی مخالف کے جذبات کو مشتعل نہیں کرتی' اسے بھی سوچنے کی طرف راغب کرتی ہے۔ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ مذہبی موضوعات پر بحث کرنے والے کئی حضرات غیر جذباتی استدلال کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رکھ پاتے جس کی وجہ سے بعض اوقات مخالف اپنے اندازِ فکر میں جذباتی ہو کر مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ مذہبی حلقوں سے تعلق رکھنے والے افراد اس معاملے میں زیادہ غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔ تبلیغ کے اس بھونڈے انداز سے جتنا بھی کنارہ کیا جائے' کم ہے۔ اس سے مبلغ اپنے پیروں پر آپ ہی کلہاڑا چلا دیتا ہے' مقامِ شکر ہے جناب قریشی نے سنجیدگی اور متانت کا دامن تھامے رکھا ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کی تحریر پر ان کے مخالف بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ضد اور انا کے بجائے اخروی فلاح کی تلاش ہی ہم سب کی زندگی کا مقصد ہونا چاہیے۔

(مجیب الرحمٰن شامی)

تصویب

میں نے اس کتاب کا مسودہ جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ ارسال کیا کہ وہ اس کے بارے میں اپنی فاضلانہ رائے سے مطلع فرما دیں۔ انہوں نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے بعض مقامات پر اصلاح فرمائی اور اپنی رائے سے بھی آگاہ فرمایا جو درج ذیل ہے۔

نور محمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب محترم نور محمد قریشی صاحب! زید لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معروض آنکہ قمر احمد عثمانی کے رسالہ کے جواب کا جو مسودہ جناب نے بھجوایا تھا' میں نے دیکھ لیا ہے' ماشاء اللہ اپنے انداز میں خوب لکھا ہے' بہت جی خوش ہوا' دل سے دعائیں نکلیں۔

والسلام

محمد یوسف لدھیانوی

پیش لفظ

اس کائنات میں انسانیت اور نبوت کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے پہلے انسان اور پہلے پیغمبر تھے۔ پھر یہ کاروانِ نبوت ورسالت مختلف ادوار میں مختلف خطوں میں نسل آدم کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے جاری رہا۔ ہر پیغمبر اپنے بعد آنے والوں کی بشارت دیتا رہا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر موجود تھی۔ مگر جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اسی شریعت کے احیاء کے لیے مبعوث ہوئے تو یہود نے نہ صرف ان کی آمد کو جھٹلایا بلکہ آپ کی تضحیک میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے بادشاہ پیلاطس نے قید میں بند برابا ڈاکو کو تو رہا کر دیا مگر مسیح علیہ السلام کو رہا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہودی پیشواؤں کے فتویٰ و فیصلہ پر انہیں صلیب پر لٹکانے کا فیصلہ کر لیا۔ حق تعالیٰ نے انہیں قتل اور مصلوب ہونے سے محفوظ رکھا اور معجزانہ انداز میں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ اس رفعِ آسمانی کے چھ سو سال بعد کاروانِ نبوت کے آخری حدی خوان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خاتم المرسلین بن کر تشریف لائے۔

جس طرح یہود نے نبی موعود مسیح علیہ السلام کا انکار کیا بعینہٖ چند خوش نصیبوں کے علاوہ یہود اور نصاریٰ دونوں نے آپ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے پس منظر میں کیا نسلی تعصبات اور گروہی منافرت موجود تھی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر بیسیوں آیات شاہد ہیں۔ اور سینکڑوں فرامینِ رسول اس ختم نبوت کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں جن کے تذکرے سے ردّ قادیانیت کا لٹریچر بھرا ہوا ہے۔ انہی آیات اور احادیث نبویہ میں روایت ودرایت کے پورے ضبط

ئے ساتھ رفعِ مسیح اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا تذکرہ بھی موجود ہے جو مسلمانوں کے عقائد کا تو لازمی حصہ ہے مگر لطف یہ ہے کہ قوم یہود بھی نبی موعود کے آنے کے تصور میں غلطاں ہے اور نصاریٰ کے بہت سے فرق بھی مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی پر گہرا یقین رکھتے ہیں--- قارئین کو اس حوالے سے حیرت ہو گی کہ ایک زمانے تک نبوت کاذبہ کے مدّعی مرزا غلام احمد بھی عامۃ المسلمین کی طرح رفعِ آسمانی اور نزولِ ثانی کے قائل تھے۔ان کی مشہور تصنیف ''براہین احمدیہ'' کے ان دو اقتباسات کا مطالعہ کیجیے۔

''اور مسیح کو خوب معلوم تھا کہ خدا جلد تر اس عارضی تعلیم کو نیست و نابود کر کے اس کامل کتاب کو دنیا میں تعلیم کے لیے بھیجے گا' جو حقیقی نیکی کی طرف دنیا کو بلائے گی اور بندگانِ خدا پر حق اور حکمت کا دروازہ کھول دے گی۔اس لیے اس کو کہنا پڑا کہ ابھی بہت سی باتیں قابل تعلیم باقی ہیں' جن کو تم ہنوز برداشت نہیں کر سکتے' مگر میرے بعد ایک دوسرا آنے والا ہے' وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین بمرتبہ کمال پہنچائے گا۔سو حضرت مسیح السلام تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔'' (براہین احمدیہ' جلد چہارم' ص:۳۶۰)

اب اسی تصنیف کا دوسرا اقتباس ملاحظہ کیجیے جسے انہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کی الہامی تشریح و توضیح کرتے ہوئے لکھا۔

''یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے' وہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا' اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔'' (حوالۂ مذکور ص:۴۹۹)

خیال کیجیے' کہ مرزا غلام احمد قادیانی' ایک عمر تک رفعِ آسمانی اور نزول ثانی کے قائل رہے ہیں۔مگر بعد ازاں برطانوی استعمار کو مجاہدین کی عسکری سرگرمیوں کے باعث ایک ایسی نبوت کی ضرورت پیش آئی جو تنسیخ جہاد کے تصور کو عام کر سکے' اس ضرورت کی تکمیل اس موقع پر ہوئی جب مرزا غلام احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں ایک معمولی تنخواہ دار کلرک تھے۔پادری شلر اور ٹیلر کی کوششیں رنگ لائیں اور برطانوی استعمار کو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے اور تنسیخِ جہاد کے لیے اپنا مطلوبہ کردار مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں میسّر آ گیا۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارکہ اور بعد کے ادوار میں جعلی نبوتوں بلکہ بعض حالات میں تو بعض اشخاص نے العیاذ باللہ خدائی تک کے دعوے کیے ہیں۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والوں میں بابک خرمی (بغداد)' الحاکم فاطمی خلیفہ (قاہرہ)' سکون بن ناطق (قاہرہ)' ابوعبید اللہ بن شباش (ممیر)' ابوالحسن علی بن حسن شمیم (بغداد)' رشید الدین ابوالحشر سنان (شام) اور مرزا غلام احمد قادیانی (ہندوستان) شامل ہیں۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے افراد کی تعداد کاروانِ ابلیس میں سینتیس (۳۷) افراد تک پہنچتی ہے' جن میں سے صاف بن صیاد نے سب سے پہلے ۲ھ میں مدینہ منورہ میں' اسود بن کعب نے ۶ھ میں یمن میں' طلیحہ بن خویلد اسدی نے ۸ھ میں خیبر میں' مسیلمہ کذاب بن کبیر نے ۱۰ھ میں یمامہ اور مرزا غلام احمد قادیانی نے ہندوستان میں ۱۸۹۱ء میں دعویٰ نبوت کیا۔ ابوالقاسم رفیق دلاوری کی کتاب ''آئمہ تلبیس'' میں جھوٹے انبیاء کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

آنجہانی مرزا غلام احمد کے بعد کم وبیش گیارہ افراد نے امریکہ' افریقہ' یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک کے شہروں میں اپنے باطل دعاوی پیش کیے۔ ان نبوّت کا دعویٰ کرنے والوں میں ایک گروہ وہ بھی ہے جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا اعلان بھی کیا ہے۔ دعوائے مسیح کرنے والوں میں بغداد کے حرب بن عبداللہ کا نام لیا جاتا ہے جس نے ۱۳۸ھ میں یہ اعلان کیا۔ مرزا غلام احمد کے مسیح موعود کے دعوے کے بعد ۱۹۲۴ء میں راولپنڈی کے فضل احمد چنگا نے بھی ایسا ہی باطل دعویٰ کیا۔ ردّ قادیانیت کے وسیع تر تحقیقی لٹریچر کا مطالعہ کریں تو ایسے افراد کے نام بھی مل جاتے ہیں' جنہوں نے مہدی یا مہدویت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس مہدویت کے دعویٰ کرنے والوں میں بھی مرزا غلام احمد کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض ذہنی اور نفسیاتی مریضوں نے تو العیاذ باللہ' اللہ تعالیٰ کا مظہر ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے' ایسے حضرات کی تعداد دس تک پہنچتی ہے' اس صف احمقاں میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی پوری شان کے ساتھ موجود ہیں۔ یوں مرزائے قادیاں کے بے معنی لٹریچر کے انبار پہ نگاہ ڈالیں تو مرزا موصوف نے خدائی' نبوت' رسالت' مثیل مسیح' ظلّی نبوت' بروزی نبوت' مہدی' مجدّد' مامور من اللہ' مظہرِ خدا' مظہرِ انبیاء' مظہرِ حضرت علیؓ مظہرِ امام حسنؓ اور مظہرِ امام حسینؓ حتیٰ کہ کرشن کا اوتار ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ نہ جانے سکھ اور پارسی اس شخصیت کے دعوے کے اعزاز سے کیوں محروم ہوگئے۔ مذکورہ دعاوی تمام تر مرزا صاحب کی تحریروں میں موجود

ہیں۔مرزا صاحب کی نبوتِ کاذبہ کا سفر مارچ ۱۸۸۲ء میں شروع ہوا' جب انہوں نے پہلے پہل مامور من اللہ ہونے کا الہامی دعویٰ کیا۔اور پھر مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ۱۹۰۱ء میں ایک کامل نبوت کے دعویدار بن گئے۔انہوں نے صرف نبوت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ افضل الرّسل ہونے کی گستاخانہ روش بھی اختیار کی اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ حضور ختمی مرتبت کو تین ہزار معجزے دکھائے گئے (بحوالہ تحفۂ گولڑویہ' ص:۴۰) لیکن اسے دس لاکھ معجزوں سے نوازا گیا۔ایسی ہرزہ سرائیوں' گستاخیوں اور خرافات کو پیش کرتے ہوئے بھی قلم کو شرم آتی ہے۔بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ شخصیت کی تصویر کشی مرزا نے اپنے ناپاک قلم سے جو پیش کی ہے نہ جانے برصغیر کے پادری اور مسیحی اسے کس طرح سے برداشت کر گئے۔ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہم اس توہین اور گستاخی کو کسی طور برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔تصور کیجیے کہ جس شخص کے قلم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو'' شرابی' کبابی' اپنی بغل میں کنجریوں کو رکھنے والا اور ان کی تین دادیوں اور تین نانیوں کو زناکار لکھا ہو' اور انہی کے خون سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ظہور پذیر لکھا ہو' ایسے شخص کو ایک نبی تو کجا ایک انسان بھی تسلیم کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

(اس سلسلے میں ملاحظہ ہو'' ضمیمہ انجام آتھم ص:۷ 'کشتی نوح'' ص:۱۲۴ اور نور القرآن جلد۲' ص:۴۷)

محترم نور محمد قریشی ایڈووکیٹ نے فتنۂ مرزائیت کے مختلف دعاوی کے سلسلے میں اپنی تحقیق اور تنقید سے اس مضمون کے پوسٹ مارٹم سے ایسے نتائج پیدا کیے ہیں کہ جن کے مطالعے سے حق کا راستہ ایک طالبِ حق پر واضح ہو جاتا ہے۔انہوں نے ۱۹۹۴ء میں ''نزول مسیح علیہ السلام ---آخر کیوں؟'' ایک ایسے سادہ' عام فہم اور واضح اسلوب میں لکھی کہ جس میں عقلی اور نقلی دلائل کے انبار لگا دیے۔انہوں نے ایک ماہر ایڈووکیٹ کی طرح مرزا کی تحریروں کا ایسا تقابلی مطالعہ کیا ہے جس سے قدم قدم پر مرزا کی آراء آپس میں ٹکراتی ہیں۔انہیں ایک ہی بات اور موقف پر متضاد' متصادم' متحارب اور متخالف آراء پیش کرتے ہوئے کوئی خلجان محسوس نہیں ہوتا۔برصغیر کا کوئی مصنف اس تضاد بیانی میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔اگر آپ نے اس تضاد بیانی کے کرشمے ملاحظہ کرنا ہوں تو نور محمد قریشی صاحب کی پیش نظر کتاب ''حیات مسیح اور ختم نبوت'' کے علاوہ ان کی کتب ''مرزا غلام احمد قادیانی کے کارنامے'' اور ''نزول مسیح علیہ السلام---آخر کیوں؟'' بھی ملاحظہ کر لیجیے۔قریشی صاحب موصوف نے اپنی ان تینوں کتابوں میں استدلال کا ایک ایسا

اسلوب اختیار کیا ہے کہ کوئی بھی انصاف پسند اگر حقیقت کی جستجو کرے تو اس پر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوتِ کاذبہ کی اصلیت کھل جائے گی۔

''حیات مسیح اور ختم نبوت'' نور محمد قریشی صاحب کے قلم کا تیسرا شاہکار ہے۔ جس میں انہوں نے ایک ''عالم دین'' مولانا قمر احمد عثمانی کے ایک رسالے کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیا ہے' جس میں فاضل مصنف نے نزول مسیح ثانی کو ختم نبوت کے خلاف تصور کیا ہے۔ قریشی صاحب نے نہ صرف اس کتاب کے غلط استدلال کی علمی اور تحقیقی سطح پر نفی کی ہے بلکہ قرآن مجید کی وہ متعدد سورتیں جن میں رفعِ عیسیٰ علیہ السلام' قتل عیسیٰ اور نزول ثانی کے واضح اشارات ہیں۔ ان کی تشریح و تفسیر کا وہ اسلوب اختیار کیا ہے جس سے ایک طرف قمر احمد عثمانی کے غلط مؤقف کا ضعف واضح ہو جاتا ہے تو دوسری طرف قادیانیوں کے استدلال کا بھی ابطال ہو جاتا ہے۔ قریشی صاحب موصوف نے ان آیات کے وہ مختلف تراجم کے ذریعے جو تواتر کے ساتھ ایک مستند مفہوم کو پیش کرتے ہیں' جمہور مسلمانوں کے اس مؤقف کو تقویت دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود کے ظلم کے باعث جو مصلوب کرنے کی کوشش کی گئی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف معجزانہ طور پر آپ کو ان کی سازش سے محفوظ رکھا بلکہ ''جسم اور روح کے ساتھ پورا پورا'' واپس لے لیا۔ احادیث صحیحہ کے مطابق اب وہ دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے' وقتِ نزول ان کی کیا کیفیت ہو گی --- قادیانی حضرات نے اس کے لیے ایک ایسی سوقیانہ حرکت کی ہے کہ جس سے ان کا اعتبار نبوت تو کبھی تھا ہی نہیں تمیز آدمیّت بھی ختم ہو گئی۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی وقت نزول دو چادروں کو اپنی دو بیماریوں ذیابیطس اور مراق کے ساتھ تعبیر کیا اور پھر دمشق کی جامع مسجد کی بجائے قادیاں میں وہ مینار بنوا دیا' جہاں پر آپ کو نازل ہونا تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے وفات مسیح کا ایک ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جسے پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ برّصغیر میں اپنے دعوائے مسیح موعود کی غرض سے عیسیٰ علیہ السلام کا بعد صلیب ہندوستان میں کشمیر کے مقام پر آنا ثابت کیا ہے۔ پہلے تو انہوں نے آپ کی وفات ان کے وطن گلیل کے مقام پر متعیّن کی اور یہاں آپ کی تدفین کا تذکرہ کیا اور بعد ازاں پھر دور کی کوڑی لائے کہ وہ طبعی موت کے بعد سری نگر کشمیر کے ایک محلّہ خان یار میں دفن ہیں۔ اوّل تو کشمیر میں مسیح علیہ السلام کے تشریف لانے کا سارا واقعہ ہی من گھڑت اور تاریخی حقائق سے متصادم ہے۔ اور پھر یہ کیسا مذاق ہے کہ مرزا صاحب بیک جنبشِ قلم ایک ہی شخصیت کو دو مختلف

شہروں میں دفن کرتے دکھائی دیتے ہیں:

ع باایں عقل ودانش ببایدگریست

اہل اسلام کومحترم نورمحمد قریشی صاحب کاشکرگزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے ''حیاتِ مسیح اورختمِ نبوت'' پرمناظرانہ اسلوب کی بجائے اس موضوع کوایک علمی، تحقیقی اورتجزیاتی اسلوب سے واضح کرکے جمہور مسلمانوں کے نقطۂ نظرکوتقویت دی ہے۔اس سے جہاں مولانا قمراحمد عثمانی کے مؤقف کی تغلیط اورتردید ہوتی ہے وہاں کسی قادیانی مصنف کواپنی مطلب براری کے لیے اس پرزوراورمدلل استدلال کے بعدان کے غیرعلمی اورغیرمنطقی اسلوب سے کوئی مدد نہ مل سکے گی۔ مجھے یقین ہے کہ طلیحہ اسدی کی طرح راہ گم کردہ اورصراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے قادیانی بھائی اگر اس کتاب کاسنجیدگی سے مطالعہ کریں گےتوراہِ ہدایت ان پرانشاءاللہ واضح ہوجائے گی۔یہ علمی کاوش میرےنزدیک ردّ قادیانیت کےلٹریچرمیں ایک مثبت اورمفیداضافہ ہے۔اللہ تعالیٰ مصنف کی اس محنت کوقبول فرمائے۔آمین۔

۲۱-ستمبر۲۰۰۳ء

پروفیسرعبدالجبارشاکر

بیت الحکمت،لاہور

باعثِ تحریر آنکہ

ایک کرم فرمانے جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کا رسالہ ''عقیدہ ختمِ نبوت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام'' مجھے اس مقصد کے لیے ہدیہ کیا کہ میں اس کے بارے میں انہیں اپنی رائے سے آگاہ کروں۔ میری کتاب ''نزولِ مسیح علیہ السلام آخر کیوں؟'' ان کی نظر سے گزری جو انہیں پسند آئی اور انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں (جو کہ ایک بے علم انسان ہوں' یہ امر واقعہ ہے کسر نفسی نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس مسئلہ پر اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا ہے) جناب قمر احمد عثمانی صاحب (جو کہ ایک عالمِ دین ہوں گے) کے فرمودات پر رائے دے سکتا ہوں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ یہ میرے رب کا مجھ پر کرم ہے جس کے لیے میں اس کا جس قدر بھی شکر ادا کروں' کم ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ قادیانیوں نے جناب عثمانی صاحب کے اس رسالے کو وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے۔

جناب مولانا قمر احمد عثمانی کا مذکورہ بالا رسالہ پڑھنے کے بعد ذہن میں ایک ہیجان برپا ہو گیا' بے اختیار یہ شعر زبان پر آ گیا

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

جناب مولانا عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو دلائل دیئے ہیں' میرے علم کے مطابق وہ قادیانی اُمت ابتدا ہی سے اس موضوع پر پیش کر رہی ہے۔ عثمانی صاحب کا رسالہ پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی وکالت فرما رہے ہیں۔ اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود میرے لیے ناممکن ہے کہ میں اس موضوع پر خاموشی اختیار کر لوں اور محوِ غم دوش ہو جاؤں۔

ضروری وضاحت

میں اپنی طرف سے یہ وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ ''حیات و ممات مسیح علیہ السلام'' کے بارے میں میرا کوئی موروثی عقیدہ نہیں ہے' میں کسی دینی مدرسہ کا طالب علم بھی نہیں رہا کہ میں نے اپنے کسی استاد کے نقطہ نظر کو اختیار کرلیا ہو۔ میرا کوئی مسلک بھی نہیں۔ میں تو خود کو سنی بھی صرف اس لیے کہتا ہوں کہ شیعہ نہیں ہوں اور شیعہ اس لیے نہیں ہوں کہ اللہ نے فرمایا ہے:

''بے شک جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے (اے نبی) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے'' (الانعام:۱۵۹)

''حیات و ممات مسیح علیہ السلام'' کے بارے میں میرا جو بھی عقیدہ یا مسلک ہے' وہ میرے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر کا ماحصل ہے۔

عثمانی صاحب کے نظریات کیا ہیں؟

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ قاری کے سامنے جناب مولانا عثمانی صاحب کے نظریات کا خلاصہ بیان کر دیا جائے تا کہ قاری کو میری بات سمجھنے میں آسانی رہے۔ جناب عثمانی صاحب کا رسالہ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ:

1- وہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کو ختمِ نبوت سے متصادم خیال کرتے ہیں۔

2- ان کا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام (مسلمانوں کے عقیدہ کی رو سے) غلبہ اسلام کے لیے نازل ہوں گے چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے نبی ہی کی حیثیت سے یہ فرض انجام دینا ہے اس لیے یہ عقیدہ ختمِ نبوت سے متصادم ہے ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس وقت منصب نبوت سے معزول ہو چکے ہوں گے جو کہ ممکن نہیں۔

3- جناب مولانا عثمانی صاحب موجودہ عیسائیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین تصور فرماتے ہیں نہ کہ تثلیث پرست

4- آخری بات جو بین السطور سے سمجھ میں آتی ہے' وہ یہ ہے کہ جناب عثمانی صاحب کے نزدیک جو شخص ایک دفعہ اس سرزمین پر طبعی قوانین کے مطابق پیدا ہو گیا' لازم ہے کہ وہ طبعی عمر (جو پچاس یا سو سال ہی ہو سکتی ہے) پوری کر کے اسی سرزمین پر موت سے ہمکنار ہو۔

میں آئندہ سطور میں جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کے دلائل کا جائزہ لوں گا اور مذکورہ بالا نکات پر بھی اپنا نقطہ نظر بیان کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ

وفاتِ مسیح علیہ السلام اور مرزا غلام احمد کی نبوت کا ذبہ

برسبیل تذکرہ یہ بتانا مناسب ہے کہ قادیانی اُمت نے وفاتِ مسیح علیہ السلام اور مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو اپنے بہت سے مغالطہ آمیز بیانات کے ذریعہ ایک ہی مسئلہ کی دو کڑیاں یا ایک ہی تصویر کے دو رُخ قرار دے رکھا ہے۔ ان کے نزدیک اگر وفاتِ مسیح علیہ السلام ثابت ہو جائے تو مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قادیانی اُمت کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ مرزا غلام احمد کی صداقت ثابت کرنے کے بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی جائے۔ قادیانی حضرات یہ طرزِ استدلال اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کی صداقت ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس ایک بھی ٹھوس دلیل نہیں حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات یا موت ایک الگ مسئلہ ہے اور یہ ایک علمی مسئلہ ہے جس میں ایک سے زیادہ آراء ہو سکتی ہیں اور ہیں۔ مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت و مسیحیت ایک الگ مسئلہ ہے اگر مرزا غلام احمد کو سچا ثابت کر دیا جائے تو پھر ہر معاملے میں حق وہی ہوگا جو مرزا صاحب نے کہا ہوگا۔ میں قادیانی اُمت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ایک صرف ایک مسئلہ ہی ایسا بتا دیں جس میں مرزا غلام احمد نے خود اپنی ہی تکذیب نہ کی ہو۔ سوائے ایک مؤقف کے جس پر وہ تادم مرگ قائم رہے اور وہ ہے صلیب پرست انگریزوں کی چاپلوسی۔ اس کے علاوہ کوئی ایک مسئلہ بھی قادیانی اُمت (جس قدر چاہے زور لگا لے) پیش نہیں کر سکتی جس کے بارے میں مرزا غلام احمد کی متعارض اور متناقض تحریریں موجود نہ ہوں۔ میری قادیانی اُمت سے درخواست ہے کہ وہ مولانا قمر احمد عثمانی صاحب جیسے وکلاء کی تحریروں کو پھیلانے کے بجائے مرزا غلام احمد کے دعویٰ کو کسی مثبت دلیل سے ثابت کریں۔

میرا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں' مرزا غلام احمد کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی اپنی کتب ہی کافی ہیں اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں ان کی متصادم تحریریں موجود نہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و موت قادیانی اُمت کے نزدیک بنیادی مسئلہ ہے اگر اس مسئلہ کی اہمیت ختم ہو جائے تو پوری قادیانیت زمین بوس ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک

قادیانی محقق قاضی محمد نذیر صاحب اپنی فاضلانہ تصنیف ''تحقیق عارفانہ'' کے صفحہ نمبر 10 پر ''حرف محرمانہ'' کے مصنف جناب غلام جیلانی برق صاحب کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ احمدیہ تحریک کے لیے ایک بنیادی حیثیت کا حامل ہے مگر آپ نہایت سادگی سے یہ تحریر فرما رہے ہیں کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کی بحث فرسودہ ہو چکی ہے اگر واقعی یہ بحث فرسودہ ہو چکی ہے تو پھر آپ کے پاس اس کے بہت دلائل ہونے چاہئیں مگر آپ باوجود اس بحث کو فرسودہ کہنے کے ابھی تک خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات یافتہ۔ کیا اسی برتے پر آپ نے احمدیوں کو سمجھانے کے لیے ''حرف محرمانہ'' تالیف فرمائی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اس کا حاصل کچھ بھی نہیں' یہ الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانی اور صعود الی السماء کے ثبوت میں آپ کے پاس کوئی دلائل موجود نہیں ورنہ تحریک احمدیت کی تردید کے لیے تو یہ مسئلہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے کیونکہ اگر حیاتِ مسیح علیہ السلام ثابت ہو جائے تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔''

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ قادیانیت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور موت کا مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کے برعکس مرزا غلام احمد اپنی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ نمبر 55 پر جو بیان کرتے ہیں' وہ اس طرح ہے:

''اوّل تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں جو ہماری ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رُکن ہو بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقتِ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔''

ایک ایسا مسئلہ جو قادیانی اُمت کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے' اس کے بارے میں وہ مرزا غلام احمد فرماتے ہیں کہ:

(1) مسیح کے نزول کا عقیدہ ایمان کا جزو نہیں۔

(2) یہ مسئلہ ارکانِ دین میں بھی شامل نہیں۔

(3) یہ صدہا پیش گوئیوں میں سے صرف ایک پیش گوئی ہے۔

(4) اس مسئلہ کا حقیقتِ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جو مسئلہ مرزا غلام احمد قادیانی کی اُمت کے لیے بنیادی اہمت کا حامل ہے' مرزا غلام احمد کے نزدیک اس کا حقیقتِ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات یا موت کے بارے میں بھی مرزا غلام احمد کے تین مؤقف ہیں اور تینوں ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔

مرزا غلام احمد اپنی مشہور کتاب ''براہین احمدیہ'' حصہ چہارم کے صفحہ 360-361 پر تحریر فرماتے ہیں:

> ''اور مسیح کو خوب معلوم تھا کہ خدا جلد تر اس عارضی تعلیم کو نیست و نابود کر کے اس کامل کتاب کو دنیا میں تعلیم کے لیے بھیجے گا جو حقیقی نیکی کی طرف دنیا کو بلائے گی اور بندگانِ خدا پر حق اور حکمت کا دروازہ کھول دے گی اس لیے اس کو کہنا پڑا کہ ابھی بہت سی باتیں قابلِ تعلیم باقی ہیں جن کو تم ہنوز برداشت نہیں کر سکتے مگر میرے بعد ایک دوسرا آنے والا ہے' وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین بمرتبہ کمال پہنچائے گا۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔''

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 499 پر قرآن مجید کی ایک آیت کی الہامی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے' وہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔''

یہاں مرزا غلام احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمانوں پر جا بیٹھے ہیں اور دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اس وقت ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام ہر طرف پھیل جائے گا۔ مرزا غلام احمد صاحب کی یہ تحریریں اس وقت کی ہیں جب انہوں نے خود مسیح موعود کے مدعی ہونے کا پروگرام نہیں بنایا تھا البتہ اس سے قبل مرزا غلام احمد صاحب کا یہ الہام منظرِ عام پر آ چکا تھا ''الرحمٰن وعلم القرآن'' جو ان کے مجموعہ الہامات بنام تذکرہ کے صفحہ نمبر 40 پر 1882ء کے سال میں درج ہے اس کا ترجمہ بھی خود انہوں نے کیا ہے کہ ''خدا نے تجھے قرآن سکھایا'' چنانچہ قادیانی دوستوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن مجید کی آیت کی مذکورہ بالا تشریح مرزا صاحب کو خدا نے سکھائی جب مرزا صاحب نے خود مسیح موعود کے دعویٰ کا فیصلہ کیا تو ان کے لیے لازم ہو گیا کہ اپنے گزشتہ مؤقف کے خلاف حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کا اعلان کریں۔ چنانچہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ نمبر 177 پر بیان کیا کہ:

> یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔''

یہ مؤقف پہلے مؤقف سے بالکل متصادم ہے لیکن بات ابھی ختم نہیں ہوئی اور یہ ضروری تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کے اعلان کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر بھی دریافت کی جائے جو مرزا غلام احمد کو حضرت مسیح علیہ السلام کے وطن گلیل میں تو نہ مل سکی اس لیے مرزا غلام احمد کو ایک دفعہ پھر اپنا مؤقف بدلنا پڑا۔ چنانچہ اپنی کتاب ''راز حقیقت'' کے صفحہ نمبر 5 پر مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> ''ہاں خدا تعالیٰ کی اس قدیم سنت کے موافق کہ کوئی اولوالعزم نبی ایسا نہیں گزرا جس نے قوم کی ایذا کی وجہ سے ہجرت نہ کی ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تین برس کی تبلیغ کے بعد صلیبی فتنہ سے نجات پا کر ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور یہودیوں کی دوسری قوموں کو جو بابل کے تفرقہ کے زمانہ میں ہندوستان و کشمیر اور تبت میں آئے تھے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر آخر کار کشمیر جنت نظیر میں انتقال فرمایا اور سری نگر خان یار کے محلّہ میں باعزاز تمام دفن کیے گئے۔''

مرزا غلام احمد کے یہ تینوں بیانات ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ پیشتر اس کے کہ میرے قادیانی دوست کسی تاویل کے چکر میں پڑیں، میری ایک بات سن لیں۔

جب کوئی شخص کوئی بات کہتا ہے تو اس کے بیان کو ہم درج ذیل اقسام میں سے کسی ایک میں شمار کرتے ہیں:

(1) وہ حکم ہوتا ہے یا درخواست ہوتی ہے یا کوئی خواہش ہوتی ہے۔ مثلاً

آپ اپنے ملازم سے کہتے ہیں کہ "چائے بنا کر لاؤ" لیکن اس کے چائے لانے سے قبل ہی اسے حکم دیتے ہیں کہ "چائے نہیں کھانا لاؤ" آپ کے دونوں بیانات میں کوئی تضاد نہیں اس لیے جب آپ نے اپنے پہلے بیان کے برعکس اپنے ملازم کو کھانا لانے کا حکم دیا تو اس میں نہ تو کوئی قابلِ اعتراض بات ہے اور نہ ہی یہ سچ جھوٹ کا مسئلہ ہے۔

(2) وہ ایک احساس ہوتا ہے۔ مثلاً

آپ دسمبر کی 25 تاریخ کو کہتے ہیں کہ "آج بہت سردی ہے" اور اگر آپ کے پاس کوئی اسکیمو کھڑا ہو تو عین ممکن ہے وہ کہہ دے "آج قطعاً سردی نہیں بلکہ بہت خوشگوار موسم ہے۔" آپ کے اس بیان کے بارے میں بھی سچ جھوٹ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے جو محسوس کیا، وہ آپ نے کہہ دیا اور جو اسکیمو نے محسوس کیا، وہ اس نے کہہ دیا۔ احساس ایک اضافی (Relative) چیز ہے اگر صبح کو آپ کہہ دیں کہ "آج بہت سردی ہے" اور دوپہر کو کہہ دیں "آج موسم خوشگوار ہے" تو اگرچہ آپ کے دونوں بیانات متضاد ہیں لیکن اس بناء پر آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔

(3) وہ ایک خبر ہوتی ہے۔ مثلاً

آپ یہ کہہ دیں "جنگِ عظیم دوم 1929ء میں شروع ہوئی تھی" یا آپ کہہ دیں کہ "ابراہیم لنکن فرانس کا صدر تھا" تو آپ کے اس بیان کے بارے میں سچ اور جھوٹ کا سوال پیدا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے ایک خبر بیان کی ہے اور خبر لازمی طور پر یا تو سچ ہو گی یا جھوٹ اور آپ اس بیان کو اپنے پہلے دو بیانات کی اقسام میں شامل نہیں کر سکتے۔

میں نے مرزا صاحب کے جو بیانات اوپر نقل کیے ہیں، ان کا تعلق بھی "خبر" سے ہے اور "خبر" اگر سچ ہے تو بیان کرنے والا سچا ہے اور اگر "خبر" جھوٹی ہے تو اس کے بیان کرنے والے

کو آپ دروغ گو کہیں گے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے مندرجہ بالا بیانات میں تین خبریں دی ہیں اور ایک ہی شخص کے بارے میں دی ہیں۔

1- ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں اور نازل ہوں گے۔''

2- ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں دفن ہیں۔''

3- ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر کے شہر سری نگر میں دفن ہیں۔''

مرزا غلام احمد صاحب مذکورہ بالا تین بیانات میں سے دو میں لازماً جھوٹے ہیں لیکن مرزا صاحب اپنے کن بیانات میں جھوٹے ہیں' اس کا فیصلہ میرے قادیانی دوست خود کریں۔

اس سوال کے جواب میں قادیانی دوست یہ وضاحت کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے پہلے بیان میں مسلمانوں کا عقیدہ بیان کیا ہے چونکہ اس وقت تک مرزا صاحب کو اس مسئلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی نہیں ملی تھی اس لیے مرزا صاحب کا بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں وہی عقیدہ تھا جو تمام مسلمانوں کا تھا اور وہی مرزا صاحب نے بیان کر دیا۔

جھوٹ کا کاروبار ہی اس طرح کا ہے کہ جب کوئی شخص اس میں پڑ جائے تو اس سے نکل نہیں سکتا۔ ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے اسے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ یہی میرے قادیانی دوست کرتے ہیں۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب نے براہین احمدیہ میں اس مقام پر مسلمانوں کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ مرزا صاحب تو قرآن مجید کی ایک آیہ مبارکہ کی تشریح کر رہے ہیں۔ براہین احمدیہ 1884ء میں شائع ہوئی ہے۔ 1882ء میں مرزا صاحب یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ انہوں نے قرآنِ کریم کی تعلیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہے اب مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔

(1) مرزا صاحب نے ''براہین احمدیہ'' میں اس مقام پر قرآنِ کریم کی آیہ مبارکہ جو تشریح کی ہے وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم کی تھی۔

(2) اللہ تعالیٰ نے تو مرزا صاحب کو قرآنِ کریم کا علم سکھاتے ہوئے یہی تعلیم کیا تھا کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود نہیں ہیں بلکہ زمین پر ہی فوت ہو گئے تھے'' لیکن مرزا صاحب جب اس آیہ مبارکہ کی تشریح کر رہے تھے تو منشائے ربانی کے برعکس جان بوجھ کر یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے غلط تشریح کر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو متنبہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کو قرآن کی تعلیم دیتے ہوئے اس آیہ مبارکہ کو چھوڑ دیا تھا اور یہاں جو تشریح مرزا صاحب نے کی ہے' وہ اپنی صوابدید کے مطابق کی ہے۔ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کونسی صورت صحیح ہے اس کا فیصلہ میرے قادیانی دوست خود کرلیں۔ میرے نزدیک تو جب مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ "انہوں نے قرآنِ کریم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہے" تو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا۔

میرے ایک قادیانی دوست جنہوں نے دو مضامین میں ایم اے کر رکھا ہے' نے اس مسئلہ کی یہ وضاحت کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ مرزا صاحب کو جس طرح علم دیتا تھا اسی طرح وہ بیان کر دیتے تھے" اس پر میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔

1- اللہ تعالیٰ نے پہلے جان بوجھ کر مرزا صاحب کو غلط علم دیا تھا...... یا

2- اللہ تعالیٰ کو بھی پہلے معلوم نہیں تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔

اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

میں اپنے قادیانی دوستوں سے یہ گزارش کروں گا کہ یہ بات انہیں بھی تسلیم ہے کہ مرزا صاحب اپنے تین میں سے دو بیانات میں سچے نہیں ہیں البتہ وہ مرزا صاحب کے جھوٹے بیانات کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کی وجہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اپنے قادیانی دوستوں سے یہ دریافت کروں گا کہ کیا دنیا میں آج تک کوئی ایسا شخص بھی پایا گیا ہے کہ جب اس کا جھوٹ پکڑا گیا ہو تو اس نے تسلیم کرلیا ہو کہ ہاں! واقعی اس نے جھوٹ بولا تھا اس کا جواب نفی میں ہے۔ ہر جھوٹا شخص جب اس کا جھوٹ پکڑا جائے تو وہ اس کی وضاحت کرتا ہے اور جھوٹ بولنے کی وجہ بیان کرتا ہے۔ میرے قادیانی دوست بھی ایسا ہی کرتے ہیں جب ان کے سامنے مرزا غلام احمد کا کوئی جھوٹ پیش کیا جاتا ہے تو وہ بھی اس کی وضاحت ہی کرتے ہیں اور جھوٹ بولے جانے کی وجہ بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے' ہر جھوٹا آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔ میرے قادیانی دوستوں کا وضاحت کرنا اور وجہ بیان کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ بھی ان بیانات میں مرزا صاحب کو سچا نہیں سمجھتے بلکہ جھوٹا سمجھتے ہیں' صرف اقرار نہیں کرتے۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی قادیانی دوستوں کے لیے قابلِ غور ہے۔ یہ ثابت ہے کہ

1884ء تک مرزا غلام احمد صاحب کا مؤقف یہی تھا "حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں اور قیامت سے قبل نازل ہوں گے" 1884ء کے بعد مرزا صاحب کو کب اور کن الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں اور زمین پر ہی (پہلے فلسطین اور بعد میں کشمیر میں) دفن ہیں جس روز مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت وارد ہو چکی ہے' وہ دن تو قادیانی اُمت کے لیے یومِ عید ہونا چاہیے تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے ہی مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیح موعود کے لیے راستہ بنا۔ میں باوجود کوشش کے مرزا صاحب کے مجموعہ الہامات "تذکرہ" میں 1884ء کے بعد کے عرصہ میں کوئی ایسا الہام تلاش نہیں کر سکا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کونسا دن تھا اور کیا الفاظ تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی اطلاع دی۔ کیا قادیانی اُمت کے پاس ایسی کوئی اطلاع ہے؟

میں نے اس موضوع پر مرزا غلام احمد صاحب کا تذکرہ ضمناً کر دیا ہے کیونکہ حیات مسیح کے بارہ میں قادیانی امت کا نقطہ نظر بھی وہی ہے جو جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کا ہے۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں اور وہ ہے مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کا نقطہ نظر۔

عقیدہ ختم نبوت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام (قرآن کی روشنی میں)

اس عنوان کے تحت جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب سورۃ النساء کی آیت نمبر 158 سے استدلال کرتے ہیں۔ آیہ مبارکہ کا جو ترجمہ جناب مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے' وہ اس طرح ہے:

> "ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے' قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں' وہ غلط خیال میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ

بڑے زبردست حکمت والے ہیں۔" (سورۂ نساء: ۱۵۷-۱۵۸' ترجمہ مولانا تھانویؒ)

اس آیہ مبارکہ کو درج کرنے کے بعد جناب عثمانی صاحب نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

"ایک طرف یہود یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو دوسری طرف نصاریٰ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ سولی پانے کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔ قرآنِ کریم یہود و نصاریٰ دونوں ہی کے غلط دعووں اور تخمینی اندازوں کی تردید کر رہا ہے کہ نہ وہ قتل کیے گئے اور نہ وہ سولی چڑھائے گئے اور نہ ہی سولی پانے کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر گئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی طرف ان کے درجات بلند فرما دیئے۔" آیت کا یہی جملہ بل رفعہ اللہ الیہ اس دعویٰ کی بنیاد بن گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اُٹھا لیے گئے مگر بل رفعہ اللہ الیہ یا رافعک الی سے مراد یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی طرف عرشِ الٰہی پر اُٹھا لیا۔ عقیدہ ختمِ نبوت اور حیاتِ مسیحؑ صفحہ نمبر ۱۶۔

"غرض کسی جگہ بھی لفظ "رفع" اور لفظ "الیٰ" کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو اس مقام پر لیے جا رہے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات مکان و جہت کی ہر قید سے آزاد ہے تو جسمانی طور پر اس کی طرف اُٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا بل رفعہ اللہ الیہ اور رافعک الیٰ کے معنی یہ ہوں گے "بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں ان کا مقام و مرتبہ بلند فرما دیا اور میں تمہیں اپنی طرف بلند مقام عطا فرمانے والا ہوں۔" عقیدہ ختمِ نبوت اور حیاتِ مسیحؑ صفحہ نمبر ۱۱۔

اس کے بعد عثمانی صاحب نے لفظ "رفع" پر تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "رفع" کا مطلب صرف اور صرف درجات بلند کرنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات مکان و

جہت کی ہر قید سے آزاد ہے تو جسمانی طور پر اُٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سبحان اللہ کیا تشریح فرمائی ہے جناب عثمانی صاحب نے لیکن بات کچھ واضح نہیں ہو سکی کہ حق تعالیٰ کی ذات کس طرح مکان و جہت کی ہر قید سے آزاد ہے۔ کیا باری تعالیٰ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہے یا کہیں بھی موجود نہیں؟ غالباً عثمانی صاحب کا خیال ہے کہ باری تعالیٰ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہے تو عثمانی صاحب کو سمجھ نہیں آتی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف کس طرح اُٹھا سکتے ہیں اور کیوں؟ ہم آج تک تو علماء کرام سے یہی سنتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم و اختیار و تصرف کی بناء پر سب جگہ موجود ہے نہ کہ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہے۔ لامکان ہونے کے باوجود ذاتِ باری تعالیٰ کا ایک عرش بھی ہے جس پر اس نے قرار پکڑا ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۴، توبہ نمبر ۱۲۹، یونس نمبر ۳، بنی اسرائیل نمبر ۴۲، طٰہٰ نمبر ۵، الانبیاء نمبر ۲۲، فرقان نمبر ۵۹، نمل نمبر ۲۶۔

بہر حال صرف قادیانی اُمت ہی مولانا عثمانی صاحب کو اس تشریح کی داد دے سکتی ہے۔ ان کی اس تشریح کے مطابق تمام ''ڈرامہ'' صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجات بلند کرنے کے لیے تھا اگر یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا صلیب دینے کی کوشش نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے درجات بھی بلند نہ کرتا چونکہ ان کے درجات بلند کرنا ضروری تھا اس لیے کوئی نہ کوئی سبیل تو اللہ تعالیٰ نے نکالنا ہی تھی۔ چنانچہ یہود کو اس کام پر لگایا گیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا مصلوب کرنے کا انتظام کریں تاکہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجات بلند کر سکے۔ سبحان اللہ کیا بے مثل تفسیر بیان فرمائی ہے، جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب نے۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے درجات بلند کیے یا ان کو جسم و جان کے ساتھ دنیا سے اُٹھا لیا تھا۔ ضروری ہے کہ اس پسِ منظر کو ذہن میں مستحضر کر لیا جائے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ان آیاتِ مبارکہ میں اشارہ کر رہا ہے۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس (30) سال کی عمر میں منصبِ رسالت پر مبعوث کیے گئے۔ قرآنِ کریم اس بارے میں خاموش ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کس عمر میں دعوت کا آغاز کیا چنانچہ اس مقصد کے لیے ہم بائبل سے رجوع کرتے ہیں۔

''جب یسوع خود تعلیم دینے لگا، قریباً تیس برس کا تھا'' (لوقا باب نمبر ۳ فقرہ نمبر ۲۳)

اس امر میں بھی اختلاف نہیں کہ کارِ رسالت انجام دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابھی تین سال ہی ہوئے تھے کہ یہود نے ان کے خلاف سازش کر کے حکومت سے انہیں مصلوب کرنے کا فیصلہ حاصل کر لیا اب قرآنِ کریم کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو مصلوب کیے گئے اور نہ ہی قتل کیے گئے تو پھر وہ گئے کہاں؟ واقعہ صلیب کے بعد ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جناب مولانا قمر عثمانی صاحب کے ذہن میں اس کا ایک جواب ہے اور درحقیقت صرف وہی جواب ہو سکتا ہے لیکن اسے بیان کرنے سے انہوں نے گریز کیا ہے اس لیے ان کی طرف سے یہ خدمت میں کر دیتا ہوں اور وہ جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یروشلم کی زمین سنگلاخ ہے' یہاں دعوت کا کام نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں جب حضرت مسیح علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ یہود کے تلوں میں وہ تیل ہی نہیں جو انہیں درکار تھا تو پیشتر اس کے کہ ان کے دشمن ان کو قتل کرتے یا صلیب دیتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم سے فرار ہو کر کسی جنگل میں چلے گئے جہاں کسی درندے کی خوراک بن گئے یا کسی پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہو گئے اور وہاں بھوک و پیاس یا دیگر طبعی عوارض کی بناء پر موت سے ہمکنار ہو گئے اور اس طرح نہ کسی نے میت اُٹھائی' نہ کسی نے جنازہ پڑھا اور نہ کفن دفن کا انتظام ہوا!

قصہ کوتاہ شد ورنہ دردِ سر بسیار بود

میں جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب اور ان کے ہم خیال دوستوں سے یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہوں کہ کیا اپنے رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے رسول دعوت کے لیے حالات ناسازگار پا کر اسی طرح بھاگ لیا کرتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمانہ قبل از تاریخ کی شخصیت نہیں ہیں' وہ اس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس کی تاریخ ہمیں دستیاب ہے یہاں تک کہ بین الاقوامی طور پر جو کیلنڈر رائج ہے' وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے منسوب ہے اب اس سوال کا کیا جواب ہے کہ اگر وہ صلیب بھی نہیں دیئے گئے اور قتل بھی نہیں ہوئے تھے تو پھر نام نہاد واقعہ صلیب کے بعد وہ گئے کہاں؟ تاریخ اس بارے میں خاموش کیوں ہے؟ اس سوال کا ایک جواب تو وہی ہے جو میں نے جناب مولانا عثمانی صاحب کی طرف سے دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جان کے خوف سے بھاگ لیے لیکن اس جواب کو قبول کرنے میں رکاوٹ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے

کبھی میدان نہیں چھوڑا کرتے' وہ ہجرت تو کرتے ہیں' وہ بھی اس وقت جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے۔ (ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول جب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر قبل از وقت اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح بھاگ لیے ہوتے تو قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا) اس سوال کا ایک جواب قادیانی اُمت کی طرف سے بھی دیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم سے ہجرت کر کے کشمیر آ گئے اور کشمیر میں کارِ رسالت انجام دیتے ہوئے انہوں نے طبعی عمر پوری کی اور کشمیر میں ہی موت سے ہمکنار ہوئے اور محلہ خان یار سری نگر میں دفن ہوئے۔

مجھے قادیانی اُمت کے اس جواب کو قبول کرنے میں ہرگز تامل نہ ہوتا اگر تاریخ سے اس کی تائید ہو جاتی۔ قادیانی اُمت کے جواب کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ واقعہ صلیب کے وقت ان کی عمر 33 سال تھی اگر انہوں نے کشمیر تک پہنچنے میں سات برس بھی لگا دیے ہوں تو چالیس سال کی عمر میں وہ کشمیر پہنچ گئے اور اس طرح ان کو کشمیر میں کارِ رسالت انجام دینے کے لیے اسی (80) سال مل گئے اگر ایسا ہوا تھا تو کشمیر میں اسلام سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ گو (نہ کہ عیسائی) آباد ہونا چاہئیں تھے جبکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہلِ کشمیر مسلمان ہونے سے قبل مشرک ہندو تھے اور آج بھی وہاں مسلمانوں کے علاوہ اگر کوئی آباد ہے تو وہ ہندو ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ گو۔

حق تعالیٰ کے چار وعدے

اس عنوان کے تحت جناب مولانا قمر احمد عثمانی نے سورۂ آل عمران کی آیات نمبر ۵۴-۵۵ سے استدلال کیا ہے' ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہے:

> ''ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ علیہ السلام (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اُٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں'

ان کو غالب رکھنے والا ہوں' ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روزِ قیامت تک پھر میری طرف واپسی ہوگی سب کی۔ سو میں تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کر دوں گا' ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"اس آیہ کریمہ میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے فرمائے ہیں جن میں سب سے پہلا وعدہ یہ ہے اور کیا منفرد وعدہ ہے جو کبھی کسی سے کیا ہی نہیں گیا۔

پہلا وعدہ

"بے شک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں۔" صفحہ نمبر ۱۲

اس جگہ جناب عثمانی صاحب نے "انی متوفیک" کا ترجمہ کیا ہے کہ "میں تمہیں وفات دینے والا ہوں" اور اس کے بعد اس پر خاصا زور دیا ہے کہ "انی متوفیک" کا مطلب صرف اور صرف یہی ہو سکتا ہے کہ "میں تمہیں موت دینے والا ہوں" اور یہ کہ اس کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ میں خود تو عربی زبان کا سکالر نہیں ہوں اس لیے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے مستند اہلِ علم کے تراجم سے فائدہ اُٹھاتا ہوں۔ چنانچہ "انی متوفیک" کا جو ترجمہ علمائے کرام نے کیا ہے' وہ درج کر دیتا ہوں۔

شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے "انی متوفیک" کا ترجمہ کیا ہے۔

"تحقیق میں لینے والا ہوں تجھ کو"

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

"میں لے لوں گا تجھ کو اور اُٹھا لوں گا اپنی طرف"

میں ایک عیسائی کا انگریزی ترجمہ بھی دے دیتا ہوں کیونکہ وہ اس اُلجھن کا شکار نہیں ہے جس سے برصغیر کے مسلمانوں کو مرزا غلام احمد قادیانی نے گزشتہ ایک صدی سے دوچار کیا ہوا

ہے۔

"I will take thee to Me" (Arther J Arberry)

مولانا محمد ابراہیم میر رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹی نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل اس مسئلہ پر بڑی فاضلانہ بحث کی ہے اس سے استفادہ کرنا بھی مناسب ہوگا۔ وہ اپنی کتاب ''شہادت القرآن'' میں لکھتے ہیں:

> ''واضح ہو کہ توفی کی نسبت مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ لفظ صرف موت اور قبض روح کے لیے موضوع ہے اور یہ امر اس کے علوم رسمیہ اور لیاقت علمیہ سے بالکل بے بہرہ اور عاری ہونے پر دلیل بین ہے کیونکہ ''توفی'' لفظ ''وفا'' سے ماخوذ ہے اور وفا کے معنی ہیں ''پورا کرنا'' شہادت القرآن صفحہ ۱۰۳۔۱۰۴

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں ''انی متوفیک'' اور ''رافعک الی'' پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے' مولانا فرماتے ہیں:

> ''توفی'' کے اصل معنی عربی لغت میں کسی شے کو پورا پورا لے لینے یا کسی چیز کو اپنی طرف قبض کرنے کے ہیں۔ موت دینے کے معنی میں اس لفظ کا استعمال حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہوا ہے۔ ایسے الفاظ جو اپنے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں' اپنے صحیح مفہوم کے تعین میں قرائن کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہاں مندرجہ ذیل قرائن اس بات کے خلاف ہیں کہ اس کے معنی یہاں موت دینے کے لیے جائیں۔
>
> ایک یہ کہ یہ موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لیے بشارت اور وعدہ نصرت ہے۔ جملہ رسولوں کی سرگزشتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ جب ان کی قوموں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی حفاظت اور نصرت کی بشارت دی۔ یہ آیت بھی بشارت اور وعدہ نصرت کی ہی ہے۔ اس سیاق وسباق میں آخر یہ کہنے کا کیا محل ہے کہ میں تمہیں موت دینے والا ہوں' یہ تو وہی چیز ہوتی

جس کے یہود خواہاں تھے۔

دوسرا یہ کہ اس لفظ سے یہاں موت دینا مراد ہے تو اس کے بعد "رافعک الیّ" کے الفاظ بالکل غیر ضروری ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ "رافعک الیّ" کے معنی مجرد رفع درجات لینا صحیح نہیں۔ اس صورت میں "الیٰ" کا لفظ بالکل بے ضرورت ہو کر رہ جاتا ہے اور قرآن میں کوئی لفظ بے ضرورت استعمال نہیں ہوا اگر صرف درجہ کی بلندی کا اظہار مقصود ہوتا تو عربیت کے لحاظ سے "رافعک الیّ" کے معنی یہ ہوں گے:

"میں تمہیں عزت و اکرام کے ساتھ اپنی جانب اُٹھانے والا ہوں۔"

(تدبر قرآن' جلد دوم' صفحہ ۱۰۴)

آپ نے دیکھ لیا کہ شاہ رفیع الدین' شیخ الہند' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مولانا امین احسن اصلاحی رحمہم اللہ اور "Arberry" کسی نے بھی "انی متوفیک" کا ترجمہ "میں تجھے موت دوں گا" نہیں کیا اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے اگر تو قرآن مجید میں یہ لفظ سب جگہ "موت" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے تو ہمیں "انی متوفیک" کا ترجمہ "میں تجھے موت دوں گا" ہی کرنا چاہیے اس مقصد کے لیے جب میں نے قرآن مجید سے استفادہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ زیادہ تر "موت" کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ مثلاً

1۔ سورۂ احقاف کی آیت نمبر ۱۹ میں "لیوفیھم" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے

"اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کر دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"اور ان کو ان کے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے اور یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔"

(ترجمہ مرزا بشیر الدین محمود احمد)

"All shall have their degrees according to what they have wrought and that He may pay them in full for their works and they not being wronged" (Arberry)

2- سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۲۵ میں یہ لفظ "وفیت" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

"سوان کا کیا حال ہوگا جبکہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے جس کے آنے میں ذرا شبہ نہیں اور پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو کہ جو کچھ اس نے کیا تھا۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"جب ہم اس دن کو (جس کی آمد) میں کوئی شبہ نہیں انہیں جمع کریں گے تو ان کا کیا حال ہوگا اور ہر شخص نے جو کچھ کمایا ہوگا اس دن وہ اسے پورا پورا دے دیا جائے گا۔ (ترجمہ مرزا البشیر الدین محمود احمد)

"But how will it be when gather them for a day where on is no doubt and every soul shall be paid in full what it has earned." (Arberry)

3- سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۵۷ میں یہ لفظ "فیوفیھم" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

"اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام کیے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ (ان کے ایمان اور نیک کام کا) ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے، ظلم کرنے والوں سے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"اور جو لوگ مومن ہیں اور انہوں نے نیک (اور مناسب حال) عمل کیے ہیں وہ انہیں ان کے اعمال کا اجر پورا (پورا) دے گا اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا۔" (ترجمہ بشیر الدین احمد)

"But as for the believers who do deeds of righteousness he will pay them in full their wages and God loves not the evil doers." (Arberry)

4- سورۃ الانعام نمبر ۶۰ میں یہ لفظ "یتوفکم" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

"وہی ہے جو قبض کرتا ہے تم کو رات میں اور جو کچھ دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور پھر تم کو جگا اُٹھاتا ہے کہ میعاد معین تمام کر دی جائے پھر تم کو اس کی طرف جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روح قبض کرتا ہے اور دن کے وقت جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور پھر دن کے وقت تمہیں اُٹھاتا ہے کہ ایک مدت جو مقرر ہو چکی ہے پوری کی جائے جس کے بعد تمہارا لوٹنا اسی کی طرف ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کی تمہیں خبر دے گا۔" (ترجمہ مرزا البشیر الدین محمود احمد)

"It is He who recalls you by night and He knows what you works by day then He raises you up therein that a stated term may be determined; then unto Him shall you return and then He will tell you of what you have been doing." (Arberry)

5- سورۃ زمر نمبر ۷۰ میں یہ لفظ "وفیت" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

"ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"اور ہر نفس نے جو کیا ہوگا اس کے مطابق اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

اور وہ (اللہ) ان کے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔" (ترجمہ مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"Every soul shall be paid in full for what it has wrought and He knows very well what they do." (Arberry)

6۔ سورۂ ھود نمبر ۱۵ میں یہ لفظ "توف" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

"جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیاتِ دینوی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے (ان) اعمال (کی جزا) ان کی دنیا میں ہی پوری طور پر بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لیے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"جو (لوگ اس) دینوی زندگی (کے سامان) اور اس کی زینت کو (اپنا) مقصود بنائیں گے انہیں ہم ان کے اعمال (کے پھل) اسی (زندگی) میں پورے پورے دے دیں گے اور انہیں اس میں کم نہیں دیا جائے گا۔ (ترجمہ مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"Who so desires the present life and its adornment We shall pay them in full for their works therein and they shall not be defrauded there." (Arberry)

7۔ سورۂ ھود ۱۰۹ میں یہ لفظ "لموفوھم" کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

سو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا۔ یہ لوگ بھی اسی طرح (بلادلیل بلکہ خلافِ دلیل) عبادت (غیراللہ کی) کر رہے ہیں جس طرح ان سے قبل ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً (قیامت کو) ان کا حصہ (عذاب کا) ان کو پورا پورا بے کم و کاست پہنچا دیں گے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"پس (اے مخاطب) جو عبادت یہ (لوگ) کرتے ہیں اس کے (باطل ہونے کے متعلق) تو کسی شک (وشبہ) میں نہ پڑ۔ یہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح کی عبادت (ان سے) پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً انہیں (بھی) ان کا حصہ پورا پورا دیں گے جس میں سے (ہرگز) کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔"

(ترجمہ بشیر الدین محمود احمد)

"So be Thou not in doubt concerning what they serve; they serve only as their fathers served before and We shall surely pay them in full their portion undininished." (Arberry)

اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن مجید میں یہ لفظ کسی نہ کسی ترکیب میں استعمال ہوا ہے اور وہاں یہ "موت" کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا لیکن میں طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں' میں نے تین تراجم پیش کیے ہیں۔ ایک ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا ہے جو دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں' ایک ترجمہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کا ہے جو قادیانی اُمت کے دوسرے سربراہ ہیں اور اس وجہ سے قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہوئے مرزا محمود احمد صاحب نے قادیانی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھا ہے۔ تیسرا انگریزی ترجمہ آرتھر جے آربری کا ہے جو مذہباً عیسائی ہیں۔ یورپ کے باشندہ ہیں اس لیے نہ تو وہ کسی مسلک سے متاثر ہیں اور نہ ہی کسی ایسی اُلجھن سے دوچار ہیں جس سے برصغیر کے مسلمان مرزا غلام احمد کی وجہ سے گزشتہ کم وبیش ایک صدی سے دوچار ہیں۔ جناب آربری صرف عربی زبان کے سکالر ہیں اور زبان کے لحاظ سے جو ترجمہ ان آیات مبارکہ کا ہونا چاہیے وہ انہوں نے کر دیا ہے۔ ان تینوں حضرات نے مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے کسی جگہ بھی اس لفظ کو موت کے مفہوم میں نہیں لیا تو پھر "انسی متوفیک" کا ترجمہ "میں تجھے موت دوں گا" کیوں کیا جائے۔

مرزا غلام احمد کا مؤقف

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب سے بھی دریافت کرلیا جائے کہ ان کا مؤقف کیا ہے اور اس لیے بھی ضروری ہے کہ میرے مخاطب قادیانی حضرات بھی ہیں۔ میرے قادیانی دوست اس کو پسند کریں یا نہ کریں حقیقت بہرحال یہی ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی ہر بات کی خود ہی تکذیب کی ہوئی ہے اس لیے ان کے کام کی کوئی علمی قدر و قیمت نہیں ہے لیکن میں مرزا غلام احمد صاحب کا مؤقف اس لیے درج کر رہا ہوں کہ قادیانی اُمت کے لیے حق وہی ہے جو مرزا غلام احمد نے کہا ہے:

"انـی متـوفیـک ورافعـک الـی" کے بارے میں مرزا غلام احمد کا نقطہ نظر درج ذیل ہے۔

مرزا غلام احمد کے مجموعہ الہامات (جو "تذکرہ" کے نام سے چھپا ہے) کے صفحہ نمبر ۹۶ پر 1883ء کے حوالہ سے مرزا صاحب کا ایک الہام ان الفاظ میں درج ہے "انـی متـوفیـک ورافعـک الـی" اس کا ترجمہ بھی مرزا غلام احمد نے خود ہی کیا ہے جو اس طرح درج ہے۔

"میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔"

مرزا صاحب نے "انـی متـوفیـک" کا ترجمہ "میں تجھے موت دوں گا" نہیں کیا لہٰذا اپنے الہام کا جو ترجمہ انہوں نے درج کیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ مرزا صاحب نے جو ترجمہ درج کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو یہی سکھایا تھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب (جن کی اپنی زبان پنجابی تھی) کو الہام تو عربی میں کر دیا لیکن اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھایا بلکہ عربی زبان میں الہام کرنے کے بعد اس کو مرزا صاحب پر چھوڑ دیا کہ خواہ اسے صحیح سمجھیں خواہ غلط' ان کی مرضی۔ چنانچہ کئی سال تک مرزا صاحب اس الہام کو صحیح سمجھ ہی نہ سکے۔ غالباً 1883ء تک اللہ تعالیٰ کا مرزا غلام احمد کو مسیح موعود بنانے کا پروگرام ہی نہیں تھا اس لیے اس نے مرزا صاحب کو اس الہام کا صحیح ترجمہ نہیں سکھایا تھا لہٰذا لغت کی رُو سے "انـی متـوفیـک ورافعـک الـی" کا ترجمہ مرزا صاحب نے کر دیا۔

"میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔"

مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی چوتھی جلد میں بھی جو 1884ء میں چھپی ہے۔

''انی متوفیک ورافعک الی''

کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔''

کتاب ''ازالہ اوہام'' صفحہ نمبر ا ے میں اپنے اسی الہام کا ترجمہ انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''اے عیسیٰ! (علیہ السلام) میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔''

جب قادیانی اُمت کو مرزا غلام احمد صاحب کے ان متعارض بیانات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کسی وحی یا الہام کو سمجھنے میں نبی سے غلطی ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب کو بھی الہام کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطی لگ گئی تھی۔ (سلسلہ انبیاء میں مرزا صاحب واحد نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے لیکن اس وحی کا صحیح مفہوم نہیں سمجھاتا اور جب مرزا صاحب غلط سمجھتے ہیں تو اس کی تصحیح نہیں کرتا اور کئی سال بعد مرزا صاحب کو خود ہی اپنی غلطی سے آگاہی ہوتی ہے) اور یہ عصمت انبیاء کے خلاف نہیں ہے اس کی تائید میں قادیانی اُمت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ سے دو واقعات کا حوالہ دیتی ہے۔

پہلا حوالہ تو وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا کہ ہجرت سے پہلے مجھے وہ جگہ دکھائی گئی تھی جہاں مجھے ہجرت کرنا تھی اور وہاں کھجور کے درخت تھے۔ میں نے اسے یمامہ سمجھا لیکن وہ مدینہ نکلا (میں نے حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے' راقم)

اس بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہرہ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام کی زبان سے کبھی کوئی ایسا لفظ ادا ہو ہی نہیں سکتا جس کی بعد میں تردید کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ یہ خصوصیت صرف جھوٹے مدعیان نبوت کی ہوتی ہے کہ ان کو بات بات پر تردید کرنا پڑتی ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب اپنی ہر بات کی خود ہی تکذیب کر رہے ہیں۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھجوروں والی جگہ سے یمامہ

سمجھا تھا لیکن ہجرت سے قبل نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہی نہیں ہوئے کہ وہ یمامہ ہجرت کریں گے یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر کسی نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ کو تو یمامہ ہجرت کرنا تھی، آپ مدینہ کیوں چلے آئے۔ یہ حوالہ مرزا صاحب کے لیے سود مند نہیں ہے کیونکہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی زمین سے یمامہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں ہونے دیئے کہ بعد میں بوجہ ہجرت مدینہ انہیں اپنے الفاظ کی تردید کرنا پڑتی۔

دوسرا حوالہ قادیانی حضرات یہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ وہ عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرہ ادا کرنے کے لیے سفر شروع کر دیا لیکن وہ اس سال عمرہ نہ ادا کر سکے اور یہ ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا خواب (نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) سمجھنے میں غلطی لگی تھی۔ پیشتر اس کے کہ میں کچھ عرض کروں، مجھے مرزا محمد حسین صاحب مرحوم کے الفاظ یاد آ گئے ہیں کہ قادیانی ہونے کی پہلی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملتی ہے کہ انسان کی عقل مذہب کے معاملہ میں مفلوج ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قادیانیت اور منطقیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے قادیانی دوستوں سے یہ پوچھا کرتا ہوں کہ آپ کے نزدیک تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب سمجھنے میں غلطی لگی، ان کو اپنا سفر شروع ہی نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ اگلے سال شروع کرنا چاہیے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس سفر کو فتح مبین قرار دیا ہے اور سورۂ فتح جو حدیبیہ سے واپسی پر اسی سفر میں نازل ہوئی اس کی پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی کھلی فتح دی'' (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خواب کو صحیح نہیں سمجھا تھا تو فتح مبین کی بشارت کے بجائے اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ آپ نے جلد بازی سے کام لیا ہے، آپ کو تو یہ سفر اگلے سال شروع کرنا تھا اس پر قادیانی حضرات یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھی غلطی ہو گئی۔ (نعوذ باللہ)

قادیانی حضرات اس سلسلہ میں ایک تیسری بات بھی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو پہلی وحی کی سمجھ نہیں آئی تھی اسی لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی تھیں۔ اس پر میں قادیانی اُمت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ بتائیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پہلی وحی کا کیا مطلب بیان کیا تھا جس میں ان کو غلطی لگ گئی تھی اور بعد میں انہوں نے اس کی کیا تصحیح کی؟ اس کا جواب قادیانی اُمت کے پاس کوئی نہیں ہے۔

بہر حال اگر مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے دعویٰ کا پروگرام نہ بناتے تو "انی **متوفیک ورافعک الی**" کا صحیح ترجمہ ان کے نزدیک بھی یہی تھا "میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔" نہ کہ "میں تجھے موت دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا۔"

یہ کمال صرف مرزا صاحب کا ہی ہے کہ انہیں اپنے الہام کو سمجھنے میں غلطی لگتی رہی ہے اور وہ سالہا سال اس غلطی پر قائم رہے ہیں۔

ایک سوال

اس موضوع پر اب تک کی بحث کو دیکھ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے اور بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ "موت" بھی تو عربی ہی کا لفظ ہے جو صرف ایک ہی معنی دیتا ہے یعنی "روح کا جسم سے جدا ہو جانا" اگر اللہ تعالیٰ کا منشا اس جگہ یہ ہوتا کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر موت سے ہمکنار کر دیا تھا تو وہ اس آیہ مبارکہ میں "**انی متوفیک**" کی جگہ "**انی ممیتک**" کی ترکیب استعمال کر سکتا تھا' ایسی صورت میں کوئی اُلجھن پیدا ہی نہ ہوتی۔

الفاظ کی تعبیر کا ایک معروف قاعدہ جو دنیا میں مروج ہے' یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی تحریر میں ایک ایسا لفظ استعمال کرتا ہے جس سے حقیقی معانی کے علاوہ ایک مجازی معنی بھی ہوتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی تحریر کو سمجھنے کے لیے حقیقی معنی لیے جائیں گے خاص طور پر جب مجازی معنی کے لیے اسی زبان میں ایک دوسرا لفظ بھی موجود ہو اور صاحبِ تحریر نے اسے ترک کر دیا ہو اب اگر تو حقیقی معانی لینے سے کوئی اُلجھن (Absurdity) پیدا ہوتی ہو تو مجازی معنی لے لیے جائیں گے ورنہ نہیں اب اس آیہ مبارکہ میں "**انی متوفیک**" کے حقیقی معنی ہیں "میں تمہیں پورا پورا وصول کروں گا" اور یہ معانی لینے سے کوئی اُلجھن (Absurdity) بھی پیدا نہیں ہوتی تو کس قرینہ کی رو سے مجازی معنی لیے جائیں؟

قادیانی حضرات اپنی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیش کرتے ہیں کہ بخاری شریف کی ایک حدیث کی رو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "انی متوفیک" کا معنیٰ "انی ممیتک" کرتے ہیں' معلوم نہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحت کے لحاظ سے کس درجہ میں رکھا ہے اگر ایسا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اس رائے میں تنہا ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی عظیم اکثریت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مسئلہ میں تائید نہیں کرتی۔ سلف سے لے کر خلف تک اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت اس آیہ مبارکہ میں "انی متوفیک" کا مطلب "میں تجھے موت دوں گا" نہیں لیتی اور اس پر تقریباً اجماع ہے اب قاعدہ کی رو سے جہاں کسی لفظ کے حقیقی معانی مراد لیے جا سکتے ہوں' وہاں مجازی معنیٰ لینے کا کوئی جواز نہیں ہوتا اس وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اکثریت کی رائے پر ترجیح دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے "انی متوفیک" کی جگہ "انی ممیتک" کی ترکیب استعمال نہیں کی تو اس کی تین وجوہات ہی ہو سکتی ہیں۔

(1) ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد اس آیہ مبارکہ کے ذریعے یہ مفہوم "اے عیسیٰ! (علیہ السلام) میں تمہیں موت سے ہمکنار کروں گا" ادا کرنے کا ہے ہی نہیں اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہوتا تو وہ اس کے لیے "انی ممیتک" کی ترکیب استعمال کرتا جس کا مفہوم متعین ہے' اس کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

(2) دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء تو اس آیہ مبارکہ کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی خبر دینا ہی تھا لیکن عربی زبان پر مکمل عبور نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے چوک ہوگئی۔ ممکن ہے یہ توجیح جناب مولانا قمر عثمانی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے ذہن میں ہو۔

(3) تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد ہی اپنے بندوں کو اُلجھن میں مبتلا کرنا ہوتا کہ وہ قیامت تک اس بحث میں پڑے رہیں کہ اس آیت کا صحیح مطلب کیا ہے۔ یہ وجہ بھی جناب عثمانی صاحب کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکتی ہے یا قادیانی اُمت اسے قبول کر سکتی ہے۔

اب میں یہ بات قاری کے اپنے فہم پر چھوڑتا ہوں تا کہ وہ خود فیصلہ کر سکے کہ اگر اس

آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے "انـــی مـــمیتک" کی ترکیب استعمال نہیں کی تو مذکورہ بالا تین وجوہات میں سے کون سی وجہ ہو سکتی ہے اور میں مسئلہ کو دوسرے زاویہ سے بھی دیکھتا ہوں۔ ہم اس آیہ مبارکہ کا وہی ترجمہ درست تسلیم کر لیتے ہیں جو جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کرتے ہیں اور اس مسئلہ کو مولانا عثمانی صاحب کے نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس آیہ مبارکہ کا وہی ترجمہ درج کر دیتا ہوں جو جناب مولانا عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۲ پر کیا ہے:

"اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور حق تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں اور جب کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "اے عیسیٰ! (علیہ السلام) میں بے شک تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں ان سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور تمہارے متبعین کو روزِ قیامت تک (ان) منکرین پر غالب کرنے والا ہوں اور میں تمہیں اپنی طرف بلند مقام دینے والا ہوں۔"

اس آیہ مبارکہ میں تین فریق ہیں جن کا ذکر ہے:

(1) فریقِ اوّل: خفیہ تدبیر کرنے والے یعنی دشمنانِ حضرت مسیح علیہ السلام

(2) فریقِ دوم: اللہ تعالیٰ (خفیہ تدبیر کرنے والوں کے مقابلہ میں) بہتر تدبیر کرنے والے

(3) فریقِ سوم: حضرت مسیح علیہ السلام

اب ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوگا اور اسی سوال سے ہمیں معاملہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس آیہ مبارکہ کا حقیقی مفہوم واضح ہوگا۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ فریقِ اوّل اور سوم کے کیا مقاصد ہیں۔

فریقِ اوّل یعنی دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام کا مقصد حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر کے ان سے نجات حاصل کرنا ہے کیونکہ ان کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے تدبیر یہ کی کہ حکومتِ وقت سے ان کو صلیب دینے کا حکم حاصل کر لیا۔ بائبل کی کتاب "متی" میں اس کی تفصیل اس طرح ہے (اگر چہ مسلمانوں کے لیے قرآن مجید ہی یقینی ذریعہ علم ہے لیکن اگر کسی واقعہ کی تفصیل قرآن مجید میں نہ ہو

تو تفصیلات کے لیے بائبل سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں)

"یسوع کو پکڑنے والے اس کو کائفا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے"
(باب نمبر ۲۶ فقرہ نمبر ۵۷)

"آخرکار دو گواہوں نے آ کر کہا کہ اس نے کہا ہے کہ میں خدا کے مقدس کو ڈھا سکتا ہوں اور تین دن میں اسے بنا سکتا ہوں اور سردار کاہن نے کھڑے ہو کر اس سے کہا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ یہ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں مگر یسوع خاموش ہی رہا۔ سردار کاہن نے اس سے کہا کہ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا کہ تو نے خود کہہ دیا ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی کفر سنا ہے' تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا' وہ قتل کے لائق ہے۔" (باب نمبر ۲۶ فقرہ ۶۷-۶۱)

"حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں کی خاطر جسے وہ چاہتے تھے' چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطس نے ان سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں قیدی تمہاری خاطر چھوڑ دوں۔ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟ (باب نمبر ۲۷ فقرہ نمبر ۱۵ تا ۱۸)

"لیکن سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو اُبھارا کہ برابا کو مانگ لیں اور یسوع کو ہلاک کرائیں۔ حاکم نے ان سے کہا کہ ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو کہ تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ انہوں نے کہا برابا کو۔ پیلاطس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے' کیا کروں؟ سب نے کہا مصلوب ہو۔" (باب نمبر ۲۷ فقرہ ۲۰ تا ۲۳)

قارئین کرام! بائبل کے اقتباسات سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان پر جھوٹے الزامات لگائے' جھوٹے گواہ پیش کیے اور حکومت سے ان کو مصلوب کرنے کا حکم حاصل کر لیا یہاں تک کہ حاکم نے عید کی وجہ ایک قیدی چھوڑنے کے بارے لوگوں کی رائے حاصل کی تو بھی دشمنانِ حضرت مسیح علیہ السلام کے اُکسانے پر لوگوں نے برابا ڈاکو کو چھوڑ دیے جانے کا مطالبہ کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کیے جانے کے مطالبہ پر قائم رہے۔ یہ تو تھا دشمنانِ حضرت مسیح علیہ السلام کا مقصد۔

تیسرے فریق یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ نہ لگیں اور اسی مقصد کے لیے وہ اپنے رب سے درخواست کر سکتے ہیں۔ بائبل کے عہد نامہ جدید میں متی نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

''اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے رب! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر یہ میرے پیے بغیر ٹل نہیں سکتا تو تیری مرضی پوری ہو اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی۔'' (متی باب نمبر ۲۶ فقرہ نمبر ۳۶ تا ۴۵)

لوقا نے حضرت مسیح علیہ السلام کی آخری رات کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

''پھر وہ نکل کر اپنے دستور کے موافق زیتون کے پہاڑ کو گیا اور شاگرد اس کے پیچھے ہو لیے اور اس جگہ پہنچ کر اس نے ان سے کہا دعا کرو کہ آزمائش میں نہ پڑو اور وہ ان سے بمشکل الگ ہو کر کوئی پتھر کا ٹپہ آگے بڑھا اور گھٹنے ٹیک کر یوں دعا کرنے لگا کہ اے باپ! اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹا

لے تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا' وہ اسے تقویت دیتا تھا پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا۔"

(لوقا باب نمبر ۲۲ فقرہ ۳۹ تا ۴۳)

بائبل کے مذکورہ بالا بیان سے نہ صرف یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آزمائش کی گھڑی میں اپنے رب سے دعا کی بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عیسائیت کے اس عقیدہ کی کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے صلبی بیٹے تھے' بائبل سے ہرگز تائید نہیں ہوتی۔ عیسائیت کے عقیدہ کفارہ کے مطابق اگر حضرت مسیح علیہ السلام آئے ہی اس لیے تھے کہ صلیب پر جان دے کر نسلِ انسانی کے اصلی گناہ کا کفارہ ادا کر دیں تو دعا کیسی اور پریشانی کیا اور اگر وہ خود خدا تھے اور خدا کے صلبی بیٹے تھے یعنی تین میں سے ایک تھے تو پھر دعا کس سے مانگ رہے تھے؟ بائبل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی آخری رات کی جو کیفیت بیان کی ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح انسان ہی تھے اور ان کا ردعمل وہی تھا جو ایک عام انسان کا ان حالات میں ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انی متوفیک ورافعک الی" اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا اس شکل میں قبول کی جس طرح عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں یا اس شکل میں قبول کی جس طرح دوسرے علماء کرام بیان فرماتے ہیں۔ بہر حال اگر پہلے فریق (دشمنانِ حضرت مسیح علیہ السلام) کا مقصد حضرت مسیح علیہ السلام سے نجات حاصل کرنا تھا تو تیسرے فریق (حضرت مسیح علیہ السلام) کا مقصد اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے بچ نکلنا تھا۔

دوسرے فریق یعنی اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں کیا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا؟

جناب قمر احمد عثمانی کی رائے میں اللہ تعالیٰ نے فریقِ اوّل یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور ان سے کہا "کم بختو! میں تم سے بہتر تدبیر کرنے والا ہوں' تم خواہ مخواہ اس شخص کو مصلوب کر کے اس کا خون اپنی گردن پر کیوں لیتے ہو؟ تم میرے مقابلے میں کوئی اچھی تدبیر نہیں کر سکتے جو تدبیر بھی کرو گے' وہ بھدی (Crude) ہو گی' تمہاری خواہش میں خود پوری کر دیتا ہوں۔ میں اس شخص کو اس طرح موت دوں گا کہ نہ کسی کے خنجر پر داغ ہو گا اور نہ

کسی کے دامن پر خون کی کوئی چھینٹ ہوگی۔ میں موت کے فرشتہ کو بھیج کر اسے طبعی موت مار دیتا ہوں تاکہ تمہیں اس شخص سے نجات بھی مل جائے اور تم ارتکابِ قتل کے جرم سے بھی بچ جاؤ۔ عین اس وقت جب دشمنانِ حضرت مسیح علیہ السلام ان کو مصلوب کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو بقول مولانا عثمانی صاحب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں کہ تم کچھ غم نہ کرو پیشتر اس کے کہ تمہارے دشمن تمہیں مصلوب کریں، میں تمہیں طبعی موت دے دوں گا۔"

سبحان اللہ کیا خوشخبری ہے جو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول حضرت مسیح علیہ السلام کو دی جا رہی ہے اور اگر میرے جیسا بے علم انسان جناب قمر احمد عثمانی سے دریافت کرلے کہ اللہ تعالیٰ کا جلیل القدر رسول جسے اللہ تعالیٰ نے بن باپ کے پیدا کیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا' اللہ تعالیٰ کا وہ جلیل القدر رسول کہ جس نے گہوارے میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاک دامنی ثابت کی اور صاحبِ کتاب نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا وہ جلیل القدر رسول جس کی والدہ کو اس نے تمام عورتوں سے افضل قرار دیا' اللہ تعالیٰ کا وہ جلیل القدر رسول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انتہا درجہ کے حسی معجزات عطا کیے۔ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسول کی مدد کرنے کے بجائے اس کے دشمنوں کے مقاصد کی تکمیل کی تو مولانا عثمانی صاحب یہ جواب دے سکتے ہیں کہ جس طرح شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے' چاہے انڈے دے چاہے بچے اسی طرح اللہ میاں بھی بادشاہ ہے وہ چاہے تو اپنے رسول کی مدد کرے اور چاہے تو اس کے دشمنوں کی مدد کرے' اسے کون پوچھ سکتا ہے۔

اگر "انی متوفیک" کا ترجمہ جیسا کہ مولانا عثمانی صاحب کرتے ہیں' کیا جائے کہ "میں تمہیں طبعی موت سے ہمکنار کردوں گا" تو یہی تصویر بنتی ہے جو میں نے سطورِ بالا میں پیش کی ہے اب یہ تصویر قادیانی اُمت کو تو قبول ہو سکتی ہے اور ممکن ہے مولانا عثمانی صاحب کے لیے بھی قابلِ قبول ہو لیکن جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اپنی قوم کے مقابلے میں ہمیشہ کامیاب رہے ہیں' اس تصویر کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکمِ ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ قوت والے اور غلبہ والے ہیں۔" (مجادلہ نمبر ۲۱ ترجمہ مولانا تھانوی)

دوسرا وعدہ

اس ضمن میں جناب مولانا قمر احمد عثمانی جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں' وہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

"دوسرا وعدہ یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی طرف بلند مقام دینے والا ہوں اگر یہاں "رافعک الی" سے بحالتِ جسمانی زندہ اُٹھانا مراد ہوتا تو یہ جملہ "انی متوفیک" سے پہلے آنا چاہیے تھا کیونکہ از روئے روایات "رفع الی السماء" بحالت جسمانی پہلے ہوا اور موت آسمان سے نزول کے بعد قریب قیامت کے وقت واقع ہوگی مگر اس وقت "انی متوفیک" کے وعدے کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی کیونکہ زمین پر آنے کے بعد آپ کی وفات دوسرے عام انسانوں کی طرح طبعی موت کی صورت میں ہوگی اس وعدے کی ضرورت واہمیت اسی صورت میں باقی رہتی ہے جب بنی اسرائیل کی خفیہ تدابیر اور معاندانہ ریشہ دوانیوں کے علی الرغم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی دسترس سے بچا کر پھر انہیں اور ان کے متبعین کو گروہِ منکرین پر غالب فرما کر ان کی طبعی موت واقع ہو کہ ایک طرف منکرین حق کا گروہ انہیں قتل کرنے پر تلا ہوا ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ اس وقت تو انہیں اشتباہ میں ڈال دیتے ہیں اور پھر جلد ہی فامنت طائفة من بنی اسرائیل وکفرت طائفة فایدنا الذین امنوا علیٰ عدوھم فاصبحوا ظاھرین. (الصف) پس بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور کچھ لوگ منکر رہے پھر ہم نے اہلِ ایمان کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید فرمائی تو وہ غالب آ گئے۔ اپنی تائید و نصرت کے ذریعے گروہ مومنین کو منکرین حق پر غالب فرما دیتے ہیں اور اسی غلبہ و کامرانی کی حالت میں وقت موعود پر ان کی طبعی موت واقع ہوتی ہے۔ اس تناظر میں "ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین"

کے جملے پر غور فرمائیے اور پھر "انی متوفیک" کے وعدے کی اہمیت و ضرورت کو سمجھنے کی کوشش کیجیے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ قومِ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کی اس کے لیے ایک خفیہ منصوبہ بنایا اور اپنی دانست میں اس منصوبے کو عملی جامہ بھی پہنا دیا مگر حق تعالیٰ کی تدبیر ان کی ساری تدبیروں پر غالب آ کر رہی کہ ان کی شبیہ یا ان کا کوئی ہم شکل سولی پا گیا اور حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو نہ صرف ان کے ہر شر سے محفوظ رکھا بلکہ جلد ہی سورۃ الصف کی مذکورہ آیت کے مطابق انہیں اور ان کے متبعین کو گروہِ منکرین پر غالب فرما دیا۔ اس آیت میں یہ بات مجاد رہو رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو یہود پر یہ غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔ (صفحہ نمبر ۱۳-۱۴)

میں نے جناب مولانا عثمانی صاحب کا طویل اقتباس اس لیے درج کیا ہے کہ ان کی بات پوری طرح واضح ہو جائے۔ اس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ "رافعک الی" کا جملہ "انی متوفیک" سے پہلے آنا چاہیے کیونکہ از روئے روایت "رفع الی السماء" بحالتِ جسمانی پہلے ہوا اور موت آسمان سے نزول کے بعد قربِ قیامت میں واقع ہوگی۔ جناب مولانا عثمانی صاحب کو آیات کی یہ ترتیب اس لیے غلط معلوم ہو رہی ہے کہ ان کے نزدیک "انی متوفیک" کا مطلب ہی "میں تمہیں طبعی موت دوں گا" ہے میرے نزدیک "انی متوفیک" کا مطلب جس طرح علمائے کرام کرتے ہیں "میں تمہیں پورا پورا وصول کروں گا" صحیح ہے نہ کہ "میں تمہیں موت دوں گا" کیونکہ ایک غیر مسلم نے بھی جو صرف عربی زبان کا سکالر ہے اس کا ترجمہ کیا ہے:

"I will take thee to Me."

میرے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ "میں تمہیں پورا پورا (جسم اور روح دونوں کے ساتھ) خود وصول کرلوں گا" لیکن کیسے؟ اس طرح کہ تمہیں تمہارے دشمنوں کے درمیان سے اُٹھالوں گا اور اگر "انـي متوفيک" کا وہ ترجمہ کیا جائے جو شاہ رفیع الدین اور ان کے ہم خیال علماء نیز آربری نے کیا ہے تو پھر آیات کی صحیح ترتیب یہی بنتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اختیار کی ہے۔

دوسری بات جو عثمانی صاحب ارشاد فرما رہے ہیں' وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو یہود پر غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا تھا' یہ تاریخی طور پر غلط ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صف میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اہلِ ایمان کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید فرمائی اور وہ اپنے دشمنوں پر فوقیت حاصل کر گئے لیکن کب؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں؟ ہرگز نہیں۔ اہلِ ایمان کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اضافہ عثمانی صاحب اپنی طرف سے کر رہے ہیں۔ آیہ مبارکہ میں تو صرف اہلِ ایمان کا ذکر ہے۔

عثمانی صاحب اس آیہ مبارکہ کا جو ترجمہ کرتے ہیں اس کا مفہوم یہ بنتا ہے:

"اے عیسیٰ! (علیہ السلام) میں تجھے موت دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا۔"

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ انہیں کبھی موت بھی آنی ہے یہ تو اچھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا ورنہ وہ تو اس غلط فہمی میں رہتے کہ انہیں کبھی موت آئے گی ہی نہیں لیکن کیا واقعی یہ ایسی اطلاع ہے جو اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصی طور پر نہ ملتی تو وہ اس سے بے خبر ہی رہتے اور ان کو اس وقت پتہ چلتا جب موت کا فرشتہ ان کے سامنے آ کر کھڑا ہوتا؟ اس سوال کا جواب میں قاری کے فہم پر چھوڑتا ہوں۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو اپنے دشمن یہود پر غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا تھا تو پھر یہود کے لیے یہ کس طرح ممکن ہو گیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے سرکاری عملہ کے ساتھ اس مکان پر یلغار کر سکیں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے ساتھ پناہ لیے ہوئے تھے۔

مولانا قمر احمد عثمانی صاحب اس آیہ مبارکہ کا جو ترجمہ کرتے ہیں' وہ اس طرح ہے:

"اے عیسیٰ! (علیہ السلام) میں تجھے موت دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا۔"

مولانا عثمانی کے مذکورہ بالا ترجمہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے' وہ یہ ہے کہ بلندیٔ درجات اور موت لازم و ملزوم ہیں۔ گویا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہ آئے تو ان کے درجات بھی بلند نہیں ہو سکتے لیکن یہ بات کس طرح تسلیم کر لی جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

زندگی میں انہیں بلند درجات حاصل نہیں تھے یا حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے لازم تھا کہ وہ ان کے درجات بلند کرنے سے قبل انہیں موت سے ہمکنار کرے۔

اگر مولانا عثمانی صاحب کو تاریخ سے شغف ہوتا تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو یہود پر غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا تھا۔''

اس وقت میرے سامنے ''جے ایم۔ رابرٹس'' کی مرتب کردہ تاریخِ عالم ہے اس کے صفحہ 302 پر فاضل مصنف نے جو بیان کیا ہے' وہ درج ذیل ہے:

''اس (مسیح علیہ السلام) نے نہ صرف ان لوگوں کو دعوت دی جو سیاسی طور پر غیر مطمئن تھے بلکہ ان یہودیوں کو بھی خطاب کیا جو یہ خیال کرتے تھے کہ شریعت غیر یہود کو مناسب رہنمائی فراہم نہیں کرتی اور اس (مسیح علیہ السلام) نے ان غیر یہود کو بھی مخاطب کیا جو یہود کی نظر میں دوسرے درجے کے شہری تھے اور چاہتے تھے کہ حشر کے روز ان کی نجات کا بھی کوئی سامان ہو۔ مسیح علیہ السلام نے غرباء اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کی طرف توجہ کی اور اس معاشرے میں جس میں امیر اور غریب میں بہت زیادہ تفاوت تھا' ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی۔ مسیح علیہ السلام کی دعوت کے یہی انداز تھے جو بعد میں بہت زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوئے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اور اس (حضرت مسیح علیہ السلام) کی موت کے وقت اس کے پیروکار یہودیوں کے فرقوں میں سے ایک بہت ہی چھوٹا سا فرقہ تھے۔''

یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ان کے پیروکاروں سے کس طرح کا سلوک کر رہے تھے؟ اسے فاضل مصنف نے اسی کتاب کے صفحہ نمبر 303 پر اس طرح بیان کیا ہے:

''مسیح علیہ السلام کی تعلیمات نے یہودیوں میں کس طرح کا شور وغوغا برپا کر دیا تھا اس کی تفصیل ''رسولوں کے اعمال'' میں مل جاتی ہے۔ رومی انتظامیہ کا رویہ چشم پوشی کا تھا الا یہ کہ امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو جو اکثر ہو

جاتا تھا۔ انتظامیہ کو 59ء میں پال کو یہود کے ہاتھوں بچانا پڑا۔"

اسی مسئلہ کے بارے میں فاضل مصنف نے صفحہ نمبر 306 پر مزید بیان کیا ہے:

"رومی انتظامیہ کی نظر میں عیسائی' یہودیوں کا ہی ایک فرقہ تھے۔ عیسائیوں سے دشمنوں جیسا سلوک ابتدا میں رومی انتظامیہ نے نہیں' خود یہود نے کیا جس کی مثال صلیب کا واقعہ اور سٹیفن کی شہادت ہے۔ یہ ایک یہودی گورنر ہی تھا جس کا نام "ہریڈ اگریپا" تھا جس نے ("رسولوں کے اعمال" کے مصنف کے مطابق) سب سے پہلے عیسائیوں کو اذیت دی اور یہ بھی بظاہر قابلِ تسلیم دکھائی دیتا ہے کہ 64ء میں رومن فرماں روا نیرو نے عظیم آگ کے سلسلہ میں عیسائیوں کو قربانی کا بکرا بنانا چاہا اور یہودیوں سے کہا کہ وہ عیسائیوں کی نشاندہی کریں۔"

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 307 پر فاضل مصنف نے عیسائیوں کے ساتھ سلوک کو اس طرح بیان کیا ہے:

"انتظامیہ کی عیسائیوں سے دشمنی تو کم خطرناک تھی اور دوسری رعایا کی دشمنی زیادہ خطرناک تھی جیسے جیسے دوسری صدی گزر رہی تھی' عیسائیوں پر عام حملے ہو رہے تھے اور انتظامیہ بھی خاموش تھی کیونکہ وہ ایک غیر قانونی مذہب کے پیروکار تھے۔"

عیسائیوں کی حالت تین صدیوں تک ایسی ہی رہی اور ان کے برے دن اس وقت ختم ہوئے جب 324ء میں رومی فرماں روا کانسٹنٹائن نے باقاعدہ طور پر عیسائیت کو قبول کر لیا اور عیسائیت رومی سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ معلوم نہیں قمر عثمانی صاحب نے کس شہادت کی بناء پر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں مخالفین پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہ عثمانی صاحب کی خواہش تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں؟

جناب عثمانی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین سمجھتے ہیں' عیسائیت کی بنیاد:

(1) ازلی گناہ (2) تجسم (3) کفارہ

کے تین عقائد پر ہے اور پورا مذہب صرف یہی ہے یعنی عیسائی ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک شخص یہ عقیدہ رکھے کہ وہ پیدائشی گناہ گار ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے جو پھل کھایا تھا' وہ گناہ وراثتاً اسے منتقل ہوا ہے۔ نسلِ انسانی کو اس گناہ سے نجات دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے (جو مہربان بھی ہے اور منصف بھی) اپنے اکلوتے صلبی بیٹے (نعوذ باللہ) کو انسانی جسم دے کر بھیجا کہ وہ اس دنیا میں صلیب پر اپنی جان دے کر نسلِ انسانی کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ پس جس شخص نے بھی یہ عقیدہ اختیار کر لیا' وہ بخشا گیا۔ عیسائیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا تصور بھی یہ نہیں ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ' واحد اور احد ہے بلکہ عیسائیوں کے عقیدہ کی رو سے ذاتِ باری تعالیٰ باپ' بیٹا اور روح القدس پر مشتمل ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ''تین'' بھی ہے اور ''ایک'' بھی ہے لیکن تین کس طرح ایک ہو سکتے ہیں' ان کے نزدیک یہ ایک بھید ہے جسے نہ سمجھا جا سکتا ہے نہ سمجھایا جا سکتا ہے اب اگر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''ازلی گناہ' تجسم' کفارہ اور تثلیث'' کے عقائد کی تبلیغ کی تھی تو عیسائی واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں اور اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے ان عقائد کی تبلیغ نہیں کی اور یقیناً نہیں کی تو پھر عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ وہ تو پال کے متبعین ہیں جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی غیر حاضری میں یہ عقائد گھڑے اور عیسائیت کے نام سے ان عقائد کی تبلیغ کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود یہودی تھے بایں معنی کہ ان کی والدہ یہودی تھیں' شدت سے اپنے مذہب کی پابند تھیں اور ہیکل کے اندر معتکف رہتی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی رسالت کی طرف دعوت دینا شروع کی تو انہوں نے کوئی نئی شریعت لانے کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اسی شریعت کی توثیق کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے یہودیوں میں مروج تھی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لیکن آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے۔" (لوقا باب نمبر 16 فقرہ 17)

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں' منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں' ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔" (متی باب نمبر 5 فقرہ نمبر 18-17)

یہ تھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بارے تعلیمات جو آج بھی بائبل کے عہد نامہ جدید میں موجود ہیں لیکن موجودہ عیسائی پال کے پیروکار ہونے کی وجہ سے شریعت سے خود کو آزاد یقین کرتے ہیں۔ پال نے ان کو سبق پڑھایا کہ نجات کے لیے شریعت کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایمان ہی کافی ہے' ملاحظہ فرمائیں:

"چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔" (پولس رسول کا خط رومیوں کے نام باب نمبر 3 فقرہ نمبر 28)

پال نے عیسائیوں کو یہ تعلیم دی کہ شریعت لعنت ہے:

"کیونکہ جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں' وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جو کوئی ان سب باتوں کے کرنے پر قائم نہیں رہتا جو شریعت کی کتاب میں لکھی ہیں' وہ لعنتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے وسیلہ سے کوئی شخص خدا کے نزدیک راست باز نہیں ٹھہرتا کیونکہ لکھا ہے کہ راست باز ایمان سے جیتا رہے گا اور شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ لکھا ہے کہ جس نے ان پر عمل کیا' وہ ان کے سبب سے جیتا رہے گا۔ مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔" (گلتیوں کے نام پولس رسول کا خط باب نمبر 3 فقرہ نمبر 10 تا نمبر 13)

قرآن کے اعلان کے مطابق بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی

طرف تھی۔ بائبل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے کبھی کسی غیر یہودی کو مخاطب ہی نہیں کیا تھا اور اپنے حواریوں کو بھی تبلیغ کے بارے میں یہی حکم دیا تھا:

> ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔'' (متی۔ باب نمبر 10 فقرہ نمبر 6-7)

اس کے برعکس پال نے غیر یہودیوں کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی دعوت دینا شروع کر دی۔

> ''چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔ کیا خدا صرف یہودیوں ہی کا ہے غیر قوموں کا نہیں۔ بے شک غیر قوموں کا بھی ہے۔'' (رومیوں کے نام پولس رسول کا خط باب نمبر 3 فقرہ نمبر 29-30)

مندرجہ بالا تصریحات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ موجودہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نہیں ہیں اس لیے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

متبعین مسیح علیہ السلام کا منکرین پر غلبہ

سورۂ آل عمران کی اس آیت میں ''فوق الذین کفروا'' کے جو الفاظ آئے ہیں' عثمانی صاحب نے ان کا ترجمہ کیا ہے:

> ''تمہارے متبعین کو روزِ قیامت تک (ان) منکرین حق پر غالب کرنے والا ہوں۔''

''غالب'' بھی عربی کا لفظ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ ''فوق'' استعمال کیا ہے۔ ''فوق'' کا ترجمہ ''غالب'' درست معلوم نہیں ہوتا اس کا ترجمہ ''بالادستی'' یا ''برتری'' زیادہ مناسب ہے اور پھر اس سے سیاسی غلبہ کا مفہوم نہیں نکالا جا سکتا جس کی تائید نہ ماضی کی تاریخ میں ہوتی ہے نہ حال کی تاریخ سے۔ سیاسی میدان میں تو اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے اس لیے کہ انسانوں کے درمیان دن بدلتے رہتے ہیں' آج بھی متبعینِ مسیح علیہ

السلام (بشرطیکہ موجودہ عیسائیوں کو متبعین مسیح علیہ السلام قبول کر لیا جائے) کو یہود پر حقیقی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ آج بھی بقول علامہ اقبال ؎

''مغرب کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے''

امریکہ اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور ہے لیکن امریکہ کی اقتصادیات پر یہودیوں کا پورا پورا کنٹرول ہے۔ وہاں کے صدر ہوں' کانگریس ہو یا سینٹ' کسی میں جرأت نہیں کہ وہ کوئی ایسا قدم اُٹھا سکیں جس سے یہودیوں کے مفاد پر زد پڑتی ہو۔ یہودیوں نے امریکہ میں قسطوں پر خریداری (Hire Purchase system) متعارف کرا کے ہر امریکی کو بینکوں کا مقروض بنا دیا ہے اور بینک یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں اس پر بھی اگر جناب مولانا قمر عثمانی صاحب یہ فرمائیں کہ موجودہ عیسائیوں کو اپنے دشمن یہود پر غلبہ حاصل ہے اور یہ غلبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا تھا تو میں کیا عرض کر سکتا ہوں سوائے اس کے کہ:

''جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے''

غالباً عثمانی صاحب کی کتاب پڑھ کر ہی چند سال قبل پوپ نے یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے الزام سے بری کر دیا تھا۔

متفق گردید رائے بوعلی بارائے من

جناب مولانا قمر احمد عثمانی اور ان کے ہمنوا اتفاق کریں یا اختلاف' میرے نزدیک عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں کیونکہ یہ تثلیث پرست ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا (نعوذ باللہ) تسلیم کرتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کا رسول۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین صرف وہی لوگ ہیں اور ہو سکتے ہیں جو انہیں ان کی معجزانہ پیدائش کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتے ہیں' ان کی تعداد اگرچہ ہمیشہ کم تھی لیکن یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی موجود رہے اور آج بھی موجود ہیں اور (Unitarian) کہلاتے ہیں' ان کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین ہم مسلمان ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم منکرینِ مسیح علیہ السلام میں تو شامل نہیں ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث رسول تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی والدہ کو پاک دامن مانتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور

رسول مانتے ہیں۔

میرے نزدیک ''فوق'' کا مطلب ''برتری'' ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین کو یعنی ہم مسلمانوں کو یہ برتری دلیل کے میدان میں حاصل ہے نہ کہ سیاسی میدان میں۔ اس کی تازہ اور نمایاں مثال جناب احمد دیدات اور جمی سواگرٹ کے درمیان امریکہ میں چند سال قبل ہونے والا مناظرہ ہے۔ جونیجو حکومت کے دور میں ایک دفعہ روزنامہ جنگ لاہور نے جنگ فورم میں اس مناظرہ کی وڈیو دکھانے کا اعلان کر دیا تھا اور اس کے لیے چار بجے بعد دوپہر کا وقت مقرر تھا لیکن اخبار میں اعلان دیکھتے ہی لاہور کے پادری صاحبان نے عیسائیوں کا ایک جلوس نکالا اور ڈپٹی کمشنر لاہور کو مجبور کیا کہ وہ اس مناظرہ کی نمائش دفعہ 144 کے تحت بند کر دے۔ چنانچہ جب وقتِ مقررہ پر لوگ جنگ فورم پہنچے تو وہاں یہ نوٹس لگا ہوا تھا:

''دفعہ 144 ضابطہ فوجداری کے تحت مناظرہ کی نمائش ممنوع ہے۔''

حالانکہ اس جگہ نوٹس کی عبارت اس طرح ہونی چاہیے تھی:

''حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور تحقیق باطل ہے ہی بھگوڑا۔''

سیاسی غلبہ

اس مقام پر میرے نواسے مرحوم (جو بہت ہی راست فکر نوجوان تھا' بی فارمیسی کا طالب علم تھا۔ کچھ عرصہ قبل کشمیر میں شہید ہو گیا' اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرے اور اس کی قربانی کو قبول فرمائے۔ آمین) نے توجہ دلائی کہ سورۂ آل عمران کی آیات 55-54 میں جس غلبہ کا ذکر ہے' وہ سیاسی غلبہ ہی ہے۔ میں نے جب اس کی بات پر غور کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ وکیل ہونے کے باوجود ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ''قانون میعاد'' (Law of Limitation) کو میں کیوں نظر انداز کر گیا۔ وکلاء حضرات جب بھی کسی مسئلہ کے لیے عدالت سے رجوع کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ کیا وہ ''قانون میعاد'' کے اندر عدالت سے دادرسی طلب کر رہے ہیں۔ اس نکتہ پر غور کرتے ہوئے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وقت کا وہ نکتہ آغاز کہاں ہے جس سے وقت کو شمار کیا جانا ہے۔ سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیات میں بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ وقت کا وہ نکتہ آغاز کہاں ہے جب متبعین مسیح علیہ السلام کا منکرین مسیح علیہ السلام پر سیاسی غلبہ شروع ہوگا۔ مسئلہ کو

جب اس زاویہ سے دیکھا جائے گا تو ثابت ہوگا کہ ان آیات میں جس غلبہ کا ذکر ہے' وہ سیاسی غلبہ بھی ہوسکتا ہے۔ ہم ان آیات کا ترجمہ ایک دفعہ پھر دیکھ لیتے ہیں۔

''ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے (بھی) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اُٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں' (متبعین) ان کو غالب رکھنے والا ہوں۔ ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں' روزِ قیامت تک.....'' (ترجمہ مولانا تھانوی)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو ان کے منکرین پر قیامت تک غلبہ دینے والے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین اور منکرین کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف تھی اور ہے لہٰذا ان کے متبعین بھی اور منکرین بھی بنی اسرائیل ہی ہوں گے۔ موجودہ عیسائی تو کبھی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخاطب نہیں تھے اور نہ آئندہ کبھی ہوں گے جبکہ موجودہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم ہی نہیں کرتے' وہ تو انہیں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا اکلوتا صلبی بیٹا اور خدا تسلیم کرتے ہیں۔ رہ گئے ہم مسلمان تو ہم نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں اور نہ ہی منکرین۔ متبعین تو ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سند پر ہی (نہ کہ حضرت عیسیٰ کی اپنی سند پر) ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتے ہیں اس لیے ہم منکرین بھی نہیں لہٰذا ہم مسلمان تو اس آیہ مبارکہ کے دائرہ (Scope) سے باہر ہو گئے۔ موجودہ عیسائیوں اور ہم مسلمانوں کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد جو فریق باقی رہتا ہے' وہ صرف یہود ہیں اور یہود آج تک تو سارے کے سارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین میں ہی شامل ہیں' متبعین میں تو ایک بھی نہیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی اپنی سند پر ایمان لانے والے اور ان کا اتباع کرنے والے کب دستیاب ہوں گے؟ اس کا واضح جواب یہ ہے اور یہی ہو سکتا ہے کہ جب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزانہ طور پر دوبارہ اس زمین پر آئیں گے تو اس وقت ہی جو یہود ان پر ایمان لائیں گے اور ان کا اتباع کریں گے' ان کو اللہ تعالیٰ قیامت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین پر غلبہ عطا کرے گا۔ گویا کہ یہ آیہ مبارکہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے لیے دلیل فراہم کرتی ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک معجزہ ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر تو کر دیا ہے کہ وہ غلبہ قیامت تک کے لیے ہوگا لیکن یہ ذکر نہیں کیا وہ غلبہ شروع کب ہوگا اور اس کو قاری کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ استخراجی دلائل سے معلوم کرے کہ اس غلبہ کا آغاز کب ہوگا۔ بلاشبہ اس غلبہ کا آغاز ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی سے اور یہ غلبہ منکرینِ مسیح علیہ السلام پر قیامت تک باقی رہے گا اور یہ سیاسی غلبہ ہی ہوگا۔ اس غلبہ کی اطلاع دینے والے اللہ تعالیٰ خود ہیں اس لیے یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی لیکن سیاسی غلبہ سے قبل یہ غلبہ دلیل کے میدان میں تو حاصل ہی ہے۔

تیسرا وعدہ

اس ضمن میں عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا وعدہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح سے یہ تھا کہ:

''میں تمہیں دشمنوں سے پاک رکھنے والا ہوں''

اس مسئلہ پر مجھے مولانا صاحب سے اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں کو اس قابل ہی نہ رہنے دیا کہ وہ طاقت اور مقدرت رکھنے کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کو گزند پہنچا سکیں اس صورتِ حال کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

''اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا'' (سورۃ المائدہ: آیہ مبارکہ نمبر ۱۱۰ ترجمہ مولانا تھانوی)

اس آیہ مبارکہ کی رو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو دشمنوں کی گرفت میں آنے ہی نہ دیا۔

چوتھا وعدہ

اس ضمن میں مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں' کہ متبعین مسیح علیہ السلام کا بنی اسرائیل

میں سے منکرینِ حق پر غلبہ چوتھا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے کیا تھا۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ:

> ''ان چاروں وعدوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حق میں یہودی قوم پر ان کے غلبے اور برتری کا جو پہلو پایا جاتا ہے' وہ اسی صورت میں قائم رہتا ہے جب یہود کی تدابیر قتل و صلب کو ناکام بنا کر آپ کی طبعی موت اسی وقت واقع ہو۔ بصورتِ دیگر آسمان سے نزول کے بعد عام حالات میں موت واقع ہوتی ہے تو جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے ''انی متوفیک'' کے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی بلکہ اس کے مقابلے میں ''انی رافعک الی'' کے وعدے میں جسمانی طور پر ''رفع الی السماء'' کی مزعومہ شکل کے ساتھ بظاہر ترفع کا ایک پہلو موجود ہے مگر یہ جملہ چونکہ ''انی متوفیک'' کے بعد آیا ہے لہٰذا وفات کے بعد ترفع کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو ''رافعک الی'' سے بلندی درجات مراد لی جائے یا پھر اسے بھی مجازی معنوں پر محمول کیا جائے کہ ''میں تمہیں تمہاری طبعی موت کی صورت میں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔''

عثمانی صاحب نے اپنی تحریر میں جس اُلجھن کا ذکر کیا ہے' وہ اس لیے پیدا ہوئی کہ انہوں نے یہ بات حتمی طور پر طے کر لی ہے کہ ''انی متوفیک'' کا مطلب بہر حال ''میں تجھے طبعی موت دوں گا'' ہے اسی وجہ سے انہیں اس آیہ مبارکہ میں الفاظ کی ترتیب درست معلوم نہیں ہوتی اور ''رافعک الی'' کے مجازی معنی کرنے پر مجبور ہیں لیکن اگر ''انی متوفیک'' کا ترجمہ ''میں تمہیں پورا پورا (روح و جسم دونوں کے ساتھ) خود وصول کرنے والا ہوں'' کیا جائے تو نہ ہی کوئی اُلجھن پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس آیت میں الفاظ کی ترتیب غلط معلوم ہوتی ہے۔

ایک بات جو میری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ ہے کہ ''رافعک الی'' میں ''رفع الی السماء'' کا مفہوم کیسے داخل ہو گیا؟ اس آیہ مبارکہ کا کونسا ایسا لفظ ہے جس کا ترجمہ ''آسمان'' کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ ''میں تمہیں اوپر اُٹھاؤں گا'' اس میں نہ تو آسمان کا

ذکر ہے اور نہ ہی بلندی درجات کا۔ سیدھا سیدھا حضرت مسیح علیہ السلام سے خطاب ہے جب وہ دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اور بظاہر ان کو صلیب دیے جانے کے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں' ان کے بچ نکلنے کے امکانات بھی نظر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں:

''میں تمہیں پورا پورا (روح اور جسم دونوں سمیت) وصول کر لوں گا۔''

لیکن کس طرح؟

اس طرح کہ:

''میں تمہیں اوپر اُٹھا لوں گا''

اور یوں اللہ تعالیٰ نے جو قادرِ مطلق ہے' اپنے ایک بندے اور برگزیدہ رسول کو دشمنوں سے محفوظ کر لیا البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہاں سے اُٹھا کر کہاں لے گیا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں' اس کائنات کے اندر بھی اور باہر بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی تصرف ہے' وہ کسی جگہ انہیں حفاظت سے رکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے کسی بندے کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر لے جائے کیونکہ اس نے تو صرف حکم ہی دینا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کیوں اُٹھایا؟ اس کا جواب میں نے اپنے رسالہ ''نزولِ مسیح علیہ السلام آخر کیوں؟'' میں دے دیا ہے۔

سر سید ہوں یا مرزا غلام احمد یا مولانا قمر احمد عثمانی صاحب۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ نیوٹن کے دور کی پیداوار ہیں اور نیوٹن کی سائنس یہ کہتی تھی کہ یہ کائنات ''مادے'' سے بنی ہے اور ''مادہ'' ازلی ہے' یہ فنا نہیں ہوتا صرف اپنی شکل تبدیل کرتا ہے۔ مثلاً پانی ٹھنڈا ہوگا تو ٹھوس برف بن جائے گا اور گرم ہوگا تو بھاپ (گیس) بن جائے گی یعنی ٹھوس' مائع اور گیس میں سے کسی حالت میں ہوگا۔ لکڑی جل جائے گی تو راکھ اور دھوئیں کی شکل اختیار کر لے گی چونکہ مادہ فنا پذیر نہیں اس لیے یہ کائنات بھی فنا پذیر نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک مشین کی طرح آٹومیٹک چل رہی ہے اور ہمیشہ چلتی رہے گی یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے' عمل اور ردِ عمل کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ اوّل تو اس کائنات کا خالق کوئی ہے نہیں اگر ہے تو وہ اس کو چالو کرنے کے بعد ریٹائر ہو گیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفعِ جسمانی کے معاملہ میں مولانا عثمانی صاحب کو وہ تمام قوانین ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں جن پر

بظاہر کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ معلوم نہیں مولانا عثمانی صاحب کو یہ بھی تسلیم ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو تین سونو سال ایک غار میں سلائے رکھا یا یہ کہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کر دیا یا حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جانے کے باوجود مچھلی کی خوراک نہ بن سکے۔

عثمانی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ آئن سٹائن نے نیوٹن کے تمام قاعدے کلیے درہم برہم کر دیے ہیں اب مادہ فنا پذیر ہے بلکہ اب تو مادہ کا وجود ہی ختم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت اس کائنات کو تخلیق کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے پاس اینٹ، ریت، بجری یا سیمنٹ نہیں تھا اور نہ ہی ان اشیاء کی ضرورت تھی اس کے پاس تو اس کا حکم ''کن'' تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن'' نے الیکٹرون، نیوٹرون اور پروٹون کی تخلیق کر دی جو مادہ نہیں ہیں بلکہ انرجی (Energy) ہیں اور مختلف تناسب سے جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے مختلف عناصر کی صورت اختیار کر لی۔ یہ کائنات آٹو میٹک نہیں چل رہی بلکہ ہمارا رب ہمہ وقت اس کا نگران ہے اور اس کام میں اسے تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ وہ جب چاہتا ہے کسی بھی طبعی قانون کو کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ ساقط کر دیتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی اُلجھن نہیں ہوتی کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں محفوظ رہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے جلانے سے انکار کر دیا تھا یا اصحابِ کہف تین سونو سال ایک غار میں بغیر کھائے پیئے آرام سے سوئے رہے اور جسمانی طور پر کمزور بھی نہ ہوئے اسی طرح مجھے یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی اُلجھن نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول کو دشمنوں سے بچانے کے لیے ایک چھوٹی تدبیر کی اور اپنے رسول کو اس نے دشمنوں کے درمیان سے اس طرح اُٹھا لیا کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکا اور اسے کسی ایسی جگہ آسمان پر پہنچا دیا جہاں وہ اس وقت تک آرام کرتا رہے جب تک کہ اس کی دوبارہ ضرورت نہیں پڑتی اور جب ضرورت پڑے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کو اسی طرح معجزانہ طور پر واپس بھی لے آئے گا کہ سب ایمان لانے پر مجبور ہوں گے۔

> ''اور نہیں کوئی اہلِ کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا او پر ان کے گواہ'' (سورۂ نساء: آیہ مبارکہ نمبر ۱۵۹، ترجمہ شاہ رفیع الدین)

سورۂ مائدہ کی آیات

جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب اس عنوان کے تحت اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر 20-19 پر جو کچھ تحریر فرماتے ہیں' وہ میں نقل کر رہا ہوں تا کہ اس ضمن میں جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے اس سے قبل قاری کے سامنے جناب مولانا عثمانی صاحب کا نقطہ نظر پوری طرح آ جائے۔ (میں صرف آیات کا ترجمہ درج کروں گا) وہ فرماتے ہیں:

> ''اس کے بعد سورۂ مائدہ کی آیات نمبر ۱۱۶-۱۱۷ پر غور فرمایئے اور جب کہا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے علاوہ معبود قرار دے لو تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا میں تو آپ کو (ہر شرک سے) منزہ سمجھتا ہوں۔ مجھے کس طرح زیبا تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (ضرور) علم ہوگا (کیونکہ) آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں جو کچھ آپ کے علم میں ہے' اسے نہیں جانتا۔ بے شک آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں' میں نے ان سے بجز اس کے کچھ اور نہیں کہا جو آپ ہی نے مجھے (ان سے) کہنے کو فرمایا تھا کہ تم (سب) اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور میں تو ان (کے حالات) پر اسی وقت تک باخبر رہا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھے وفات دے دی تو پھر ان پر آپ ہی نگران حال تھے اور آپ تو ہر بات کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں۔''

سورۂ مائدہ کی آیات نمبر ۱۱۶ اور ۱۱۷ کا ترجمہ درج کرنے کے بعد مولانا قمر عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

> ''آیتِ کریمہ کا یہ جملہ ''وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم'' خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں''

کہ میں تو اپنی قوم کے حالات پر اسی وقت تک باخبر رہا جب تک ان کے درمیان موجود تھا پھر جب آپ نے مجھے موت دی تو پھر آپ ہی ان کے نگرانِ حال تھے۔ (مجھے کیا معلوم کہ انہوں نے میرے بعد کیا روش اختیار کی)

مادمت فیھم اور فلما توفیتنی کی بحث

اس ضمن میں جناب مولانا عثمانی نے جو بحث کی ہے اُسے میں انہی کے الفاظ میں درج کر رہا ہوں تاکہ ان کا نقطہ نظر قاری کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے۔

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حق تعالیٰ کے درمیان یہ مکالمہ ان کی وفات کے بعد ہوا یا قیامت کے دن ہوگا اس سے قطع نظر ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے جواباً یہ عرض کر رہے ہیں کہ میں ان کے درمیان اپنی موجودگی کے زمانے تک ہی ان کے حالات سے باخبر رہ سکتا ہوں اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا' اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باخبری کا یہ زمانہ جس کا وہ ذکر فرما رہے ہیں' بہر حال آپ کی وفات یا بصورتِ دیگر ''رفع الی السماء'' سے قبل ہی کا زمانہ ہو سکتا ہے لیکن اگر ہم ''رفع الی السماء'' کے تصور کو قبول کر لیتے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے ہیں اور ان کی وفات ہنوز واقع نہیں ہوئی بلکہ قربِ قیامت کے وقت آسمان سے نزول کے بعد ہوگی تو اس صورت میں ان کے جواب کا یہ جزو تو درست ہوگا کہ میں اس وقت تک باخبر رہا جب تک ان میں رہا مگر جواب کا اگلا جزو کہ 'جب تو نے مجھے موت دے دی الخ'' درست قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ آپ نے اپنے جواب کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ کے نگران ہونے کا زمانہ اپنی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا ہے۔''مادمت فیھم'' کے بعد کا زمانہ

قرار نہیں دیا اور موت کے بعد کا زمانہ ابھی تک پیش ہی نہیں آیا تو ان کے جواب کا یہ جزو کیسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باخبری کا زمانہ تو "مادمت فیھم" تک تھا اور حق تعالیٰ کی نگرانی کا زمانہ "فلما توفیتنی" کے بعد شروع ہوگا تو گزشتہ دو ہزار سال کی یہ طویل مدت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے سے اب تک گزر چکی ہے اور ابھی نہ جانے کتنے ہزار سال ان کے آسمان سے نزول اور وفات پانے تک اور گزریں گے تو اُن ہزاروں سال پر محیط درمیانی مدت میں قوم نصاریٰ پر نگرانِ حال کون ہوگا؟ جب کہ اس قوم کی تمام مشرکانہ گمراہیاں (عقیدہ تثلیث وغیرہ) اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جس کا کوئی شہید و رقیب نہیں ہے ؎

کوئی بتلائے کہ ہم بتائیں کیا

میں نے یہ طویل اقتباس اس لیے نقل کیا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ جناب مولانا عثمانی صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں خود بھی ان کی تشریح نہیں سمجھ سکا اس کی وجہ مجھ میں فہم کی کمی ہو سکتی ہے۔ غالباً مولانا عثمانی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ "فلما توفیتنی" کا مطلب تو بہر حال یہی ہے کہ "جب تو نے مجھے موت دے دی" اور حق تعالیٰ کی نگرانی کا دور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد شروع ہونا ہے اس لیے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی تک نصاریٰ پر حق تعالیٰ کی نگرانی بھی شروع نہیں ہوئی ایسی صورت میں تو نصاریٰ گزشتہ دو ہزار سال سے بغیر کسی نگران کے ہیں جو ممکن نہیں لہٰذا مجبوراً ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو قبول کرنا پڑے گا تا کہ حق تعالیٰ کی نگرانی کا دور شروع ہو سکے اگر بات یہی ہے جو میں سمجھا ہوں تو واقعی ؎

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

سب سے پہلی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ "فلما توفیتنی" کا مطلب کیا یہ ہے کہ "جب تو نے مجھے موت دے دی" یا اس کا مطلب ہی کچھ اور ہے۔

''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ہی ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔''

(سورۃ المائدہ نمبر ۱۱۷ ترجمہ مولانا تھانوی)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جن الفاظ کا ترجمہ جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب ''جب تو نے مجھے موت دے دی'' کر رہے ہیں' انہی الفاظ کا ترجمہ مولانا تھانوی ''جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا'' کر رہے ہیں۔ میں یہاں دوبارہ عرض کروں گا کہ ''موت'' بھی عربی زبان کا لفظ ہے' سنسکرت یا لاطینی زبان کا لفظ نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں ''موت'' کا لفظ استعمال نہیں کیا تو وہ ''موت'' کا مفہوم دینا ہی نہیں چاہتا اب میں اس آیہ مبارکہ کا وہ ترجمہ بھی درج کر دیتا ہوں جو آربری نے کیا ہے جو مذہباً عیسائی ہے اور اگر اس آیہ مبارکہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہوتی ہو تو یہ ایک عیسائی کے عقائد سے مطابقت رکھتی ہے۔ آربری اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے:

"I only said to them what Thou did command me "Serve God my Lord and your Lord"
And I was a witness over them while I remained among them but when Thou didst take me to Thyself Thou was Thyself the watcher over them; Thou Thyself art witness of every thing."
(Arberry)

آپ نے ملاحظہ فرمایا ''فلما توفیتنی'' کا ترجمہ آربری نے بھی

"But when Thou didst take me to Thyself."

کیا ہے۔ یہ ساری اُلجھن اس لیے ہے کہ جناب مولانا عثمانی صاحب نے یہ طے کرلیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں اس مسئلہ میں مجھے جناب مولانا قمر عثمانی صاحب (جو بہر حال ایک عالمِ دین ہوں گے) سے اختلاف کرنا پڑ رہا ہے۔ میں عالم تو نہیں ہوں ایک عام آدمی Layman ہوں اور اس حیثیت سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے اسے بیان کرر ہا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین دور

میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین ادوار ہیں:

1۔ پہلا دوران کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے اور صلیب کے واقعہ پر ختم ہوتا ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزانہ ہوئی تھی اور گہوارے میں کلام کر کے انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کی پاک دامنی ثابت کر دی تھی اس لیے یہود نے حضرت مریم علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی ورنہ ممکن ہے وہ انہیں سنگسار ہی کر دیتے۔

2۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا دور نام نہاد واقعہ صلیب سے شروع ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں سے بچانے کے لیے آسمان پر اُٹھالیا۔ یہ دور اس وقت ختم ہو جائے گا جب وہ دوبارہ معجزانہ طور پر ہی اس سرزمین پر واپس آ جائیں گے۔

3۔ ان کی زندگی کا تیسرا دوران کی واپسی سے شروع ہوگا اور ان کی طبعی موت پر ختم ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے پہلے دور میں توحید ہی کی تعلیم دی۔ قرآنِ کریم سے اسی بات کی شہادت ملتی ہے۔ بائبل میں کسی جگہ ان کی طرف منسوب یہ الفاظ نہیں ملتے کہ وہ خدا کے صلبی بیٹے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنے کسی وعظ میں یہ بات کہی کہ وہ صلیب پر جان دے کر انسان کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کرنے آئے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنی کسی تقریر میں تثلیث کی تعلیم دی۔ یہ عقائد تو ان کی غیر حاضری میں گھڑے گئے ہیں بلکہ انہوں نے تو اپنے پیروکاروں کو یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ خود کو عیسائی یا مسیحی کہیں۔

اپنی زندگی کے تیسرے دور میں بھی وہ توحید کی تعلیم ہی دیں گے' اپنی زندگی کے

دوسرے دور میں وہ زمین پر ہیں ہی نہیں اس لیے اپنے ماننے والوں کی گمراہی کے ذمہ دار بھی نہیں ہیں اور یہی بات وہ اپنی صفائی میں اللہ تعالیٰ سے کہیں گے۔

مولانا عثمانی صاحب غالباً اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) کوئی چوکیدار سمجھ بیٹھے ہیں جس کی ڈیوٹی صرف اس وقت شروع ہونا تھی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ڈیوٹی ختم ہونا تھی اور جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں' ان کی ڈیوٹی بھی ختم نہیں ہو سکتی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ڈیوٹی شروع کرانے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندگی سے فارغ کیا جائے' سبحان اللہ کیا اعلیٰ تصور ہے؟ اللہ تعالیٰ تو تثلیث پرستوں پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کریں گے اور جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی صفائی میں وہی کہیں گے جو حقیقت ہے لیکن اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوجہ طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

سورۂ مریم کی آیات

جناب مولانا قمر عثمانی صاحب نے صفحہ 24 پر سورۂ مریم کی آیات نمبر 30 تا 34 نقل کی ہیں اور ان کا ترجمہ دیا ہے۔ میں صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں جو انہیں کے الفاظ میں ہے:

> ''وہ بچہ بول اُٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے والدہ کا خدمت گار بنایا اور اس نے مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حق بات یہی ہے کہ جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔''

جناب مولانا عثمانی صاحب نے مذکورہ بالا آیات کی جو تشریح کی ہے' وہ بہت دلچسپ ہے اس لیے میں اسے بھی من وعن درج کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں۔ مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''ان آیات میں چند باتیں نہایت قابلِ توجہ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم علیہم السلام پر لعن وطعن کرنے والوں سے گہوارہ میں کلام کرتے ہوئے فرمائی تھیں کہ میں اللہ کا ایک خاص بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں اور جب تک میں زندہ رہوں' مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ یہاں صاحبِ کتاب نبی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بابرکت ہونے کا ذکر ''این ما کنت'' کے الفاظ کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں کہیں بھی رہوں' میرے صاحب کتاب نبی اور بابرکت ہونے کی مذکورہ حیثیتیں برقرار رہیں گی۔

مذکورہ بالا تبصرہ کے بعد مولانا عثمانی صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے' ان کا نقطہ نظر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے دلائل کا ضروری حصہ نقل کر دوں جس کے لیے انہوں نے عنوان قائم کیا ہے

''قربِ قیامت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اثبات''

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنی ان خصوصیات کا اثبات اپنی زندگی تک کے لیے کیا تھا جو بالکل درست تھا مگر خود ہمارے عقیدہ حیاتِ مسیح علیہ السلام نے ان کی نبوت و رسالت کا اثبات قربِ قیامت تک کے لیے کر دیا اور اس طرح ہم نے خود اپنے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحالتِ جسمانی آسمان پر زندہ موجود ہیں تو وہ اس وقت بھی نبی ہیں اور جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تب بھی نبی ہوں گے کیونکہ ان کی زندگی کا تسلسل قائم ہے اور اس وقت تک قائم رہے گا جب تک زمین پر آنے کے بعد ان کی موت واقع نہیں ہو جاتی اور پھر ہمارا ہی عقیدہ بھی تو ہے کہ ''لیظھر علی الدین کلہ'' کا وعدۂ خداوندی بھی (جو درحقیقت حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا تھا

کہ آپ کو مبعوث فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ آپ کے ذریعے اسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غالب فرمانا چاہتا ہے۔ قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھوں پورا ہوگا۔ (دیکھیے ترجمہ "قرآن مولانا محمود الحسن حاشیہ از شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی) اندریں حالات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کیونکہ زیرِ نظر آیات کے یہ دو جملے "ایــن مــا کـنـت" میں جہاں کہیں بھی ہوں اور "مــا دمــت حیــا" جب تک میں زندہ رہوں' انہی مطالب و معانی پر دلالت کرتے ہیں جن کی وضاحت ہم نے سطورِ بالا میں کی ہے۔

"صاحبِ کتاب نبی ہونا" اور بابرکت ہونا یہ دونوں باتیں "ایــن مــا کـنــت" کے ساتھ وابستہ ہیں میں جہاں کہیں بھی ہوں' میری دونوں حیثیتیں بہرحال برقرار رہیں گی تو اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے جانے سے پہلے بھی نبی تھے اور وہ اس وقت بھی نبی ہیں اور جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو بھی نبی ہوں گے کیونکہ "این ما کنت" کا تقاضا یہی ہے نقل مکانی سے اس کی یہ دونوں حیثیتیں متاثر نہ ہوں۔"

میں مولانا عثمانی صاحب سے یہ سوال کرتا ہوں کہ دوسرے اصحاب کتب انبیاء کا معاملہ کیا ہے؟ کیا ان پر کوئی ایسا وقت بھی آیا تھا جب وہ صاحبِ کتاب نبی نہیں رہے تھے۔ مولانا صاحب کی مذکورہ بالا تشریح سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ایسے نبی ہیں جو ہر حال میں صاحبِ کتاب نبی رہے اور بابرکت رہے۔ باقی انبیاء کی زندگی میں ایسے اوقات بھی آئے جب وہ نہ تو صاحبِ کتاب نبی رہے اور نہ ہی بابرکت رہے اور یہ خصوصیت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ وہ ہر حال میں صاحبِ کتاب نبی اور بابرکت رہے۔

کتاب دیئے جانے اور نبی بنائے جانے کا ذکر سورہ مریم کی آیت نمبر 30 میں ہے اور اس آیت میں "ایـن مـا کـنـت" کے الفاظ نہیں ہیں لیکن مولانا عثمانی صاحب کی تشریح کی رو سے "ایــن مــا کـنــت" کے الفاظ آیت نمبر 31 کے بجائے آیت نمبر 30 ہونا چاہیے تھے اب

مولانا عثمانی صاحب کے نزدیک آیات میں یا اس کے ترجمہ میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تو اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ فرض کر لینا چاہیے کہ "این ما کنت" کے الفاظ آیت نمبر 30 میں شامل ہیں اور اس طرح عثمانی صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے اور بابرکت ہونے کو "این ما کنت" کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں حالانکہ سورۂ مریم کی آیت نمبر 30 اپنی جگہ مکمل ہے اور "این ما کنت" کے الفاظ آیت نمبر 31 میں "وجعلنی مبارکا" کے بعد آئے ہیں اور اسی سے وابستہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ اس زمین پر آنا ختم نبوت سے متصادم ہے یا نہیں اسے تو بعد میں دیکھیں گے' پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ سورۂ مریم کی آیت نمبر 31 میں جو الفاظ آئے ہیں' ان کی کیا اہمیت ہے۔ خوش قسمتی سے میرا تعلق جس پیشہ سے ہے اس میں کام ہی تحریر کو پڑھنا اور اس سے صاحبِ تحریر کا منشاء معلوم کرنا ہوتا ہے جن تحریروں کو پڑھنا اور سمجھنا ہوتا ہے' ان کا تعلق افسانہ' ناول یا شعر کی صنف سے نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسی تحریریں ہوتی ہیں جن سے لوگوں کے حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی تحریر کو یہ طے کر کے پڑھا جاتا ہے کہ اس میں صاحبِ تحریر نے نہ تو کوئی ضروری لفظ چھوڑا ہے اور نہ ہی کوئی غیر ضروری لفظ استعمال کیا ہے۔ نہ صرف الفاظ بلکہ Comma اور Semi-Colon تک کو اہمیت دی جاتی ہے۔ میں اپنی تربیت کی بناء پر یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں کوئی لفظ بھی زیب داستان یا ضرورت شعری کی وجہ سے استعمال نہیں کیا۔ میں ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ دوبارہ درج کرتا ہوں البتہ بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے میں اس میں ایک تحریف کر رہا ہوں اور "جہاں کہیں بھی ہوں" کے الفاظ حذف کر رہا ہوں:

> "وہ بچہ بول اُٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ ہوں اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گار بنایا اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم حق بات یہی ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔"

مذکورہ بالا ترجمہ کو ایک بار نہیں بار بار پڑھیں' اس عبارت میں آپ کو کوئی کمی محسوس ہوتی ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیا قاری محسوس کرتا ہے کہ اس عبارت میں سے کوئی لفظ چھوڑ دیا گیا ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیا اس عبارت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی ہے؟ جواب نفی میں ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ "این ما کنت" کے الفاظ غیر ضروری طور پر اس آیہ مبارکہ میں داخل کر دیے گئے ہیں؟ کیا یہ الفاظ زیب داستان کے لیے ہیں؟ ممکن ہے جناب قمر عثمانی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات اس کا جواب اثبات میں دیں لیکن میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پاک ہے اس نے "این ما کنت" کے الفاظ نہ تو غیر ضروری طور پر استعمال کیے ہیں اور نہ ہی ضرورت شعری کے تحت۔ میرے نزدیک ان الفاظ کی بہت اہمیت ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس موقع پر میں قاری کے سامنے ایک مفروضہ پیش کرتا ہوں۔ فرض کریں آپ اپنے کسی دوست سے کہتے ہیں کہ آپ اس سے رابطہ کریں گے اور وہ جواب میں کہتا ہے کہ:

"میں آپ سے رابطہ کروں گا جہاں کہیں بھی ہوا"

تو اس کے جواب سے آپ کیا سمجھیں گے؟ یہی کہ آپ کا دوست کسی ایسی جگہ بھی ہو سکتا ہے جو آپ کے لیے غیر متوقع ہو اسی طرح اگر "این ما کنت" کے الفاظ نہ ہوتے تو قرآن مجید کا ہر طالب علم یہ سمجھتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں بھی یعنی اس زمین پر اور اگلی دنیا میں بھی بابرکت ہیں اور اس میں کوئی اُلجھن نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ انسان یا تو اس دنیا میں زمین پر ہوتا ہے یا اگلی دنیا میں ہوتا ہے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے لیکن "این ما کنت" کے الفاظ نے بتا دیا کہ وہ خلاف توقع کسی تیسری جگہ بھی ہو سکتے ہیں اور یہی ان الفاظ کی اہمیت ہے۔ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے غیر ضروری طور پر ادا نہیں کروائے بلکہ ان الفاظ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں غیر معمولی اہمیت ہے اور یہ بتانے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی تیسری جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طویل عمر پانا ختم نبوت سے متصادم ہے؟

اس کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین کس طرح ہیں۔ میں ان لوگوں میں شامل ہوں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ بنانا ہوتا تو وہ انسان کو پیدا ہی نہ کرتا۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایڈ ہاک ازم کی بنیاد پر روز کے روز اپنے فیصلے نہیں کرتا جو ہم سب کا معمول ہے جب باری تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کائنات کی تخلیق کرے اور کائنات میں اس سیارے پر جسے ہم زمین کہتے ہیں' حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو اپنا خلیفہ بنا کر آباد کرے تو اسی وقت اس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہی اپنے دین کو مکمل کرے گا اور نسل انسانی پر اپنی نعمت تمام کرے گا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نبی بنایا گیا اور وہ ''اول النبیین'' بھی ہوئے اور ''خاتم النبیین'' بھی ہوئے

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

میرے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین اس لحاظ سے ہیں کہ سلسلہ انبیاء میں ان کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی اور ان کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا۔ اپنی آخری کتاب کو نسل انسانی تک پہنچایا' اپنی نعمت کو پورا کیا اور ان کے ذریعے انسان پر اپنی ہدایت کے بارہ میں اتمام حجت کر دیا اور تا قیام قیامت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل کو ہی معیارِ حق بنا دیا اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو بھی اور نہیں ہیں تو بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حیثیت اس سے متاثر نہیں ہوتی۔

بات کو سمجھنے کے لیے ہم عالم تصور میں یہ فرض کر لیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ تھے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت چونکہ بنی اسرائیل کی طرف ہے لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کارِ رسالت انجام دے رہے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دو قسم کے طرزِ عمل ممکن ہو سکتے ہیں۔

1- ایک طرزِ عمل تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہیں آپ کیوں قبل از وقت تشریف لے آئے ابھی تو میں موجود ہوں۔ آپ نے میرے مرنے کا انتظار تو

کیا ہوتا۔

2- دوسرا طرزِ عمل وہی ہو سکتا ہے جسے قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے:

''اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا' میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔'' (سورۂ صف نمبر ٦' ترجمہ مولانا تھانوی)

اور بائبل میں اس بات کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق'' (یوحنا باب نمبر ۱۴ فقرہ نمبر ۱۷)

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار (رحمت للعلمین راقم) آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں'' (یوحنا باب نمبر ۱۶ فقرہ نمبر ۳۱)

اور اس طرزِ عمل کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کریں اور اپنے متبعین سے بھی کہیں کہ آج سے آپ لوگ شریعت موسوی کے بجائے شریعت محمدی کی پیروی کریں گے اب تا قیامِ قیامت حق وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں گے اور کریں گے کیونکہ میری بعثت تو صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کے لیے ہے اور تا قیامِ قیامت ہے۔ اگرچہ میری طبعی عمر ابھی باقی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد میری معنوی عمر ختم ہو گئی ہے اور میرا دورِ نبوت پورا ہو گیا ہے اور یہ طرزِ عمل بالکل اس میثاق کے مطابق ہوتا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں بایں الفاظ کیا ہے۔

''اور جب اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر (رسول راقم) آوے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم اس رسول پر اعتقاد (ایمان' راقم) بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔ فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے

ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

(سورۂ آل عمران نمبر ۸۱' ترجمہ مولانا تھانوی)

اب میں اپنے قاری سے بھی اور جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب سے بھی سوال کرتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی زمین پر زندہ موجود ہوتے اور بیت المقدس میں تبلیغ کر رہے ہوتے تو وہ پہلا طرزِ عمل اختیار کرتے یا دوسرا اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ ایک وقت میں دو نبی مبعوث ہو ہی نہیں سکتے تو یہ خلافِ حقیقت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ایک ہی وقت میں بنی اسرائیل میں موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء سے جو میثاق لیا تھا' وہ ان کے پیروکاروں نے پورا کیا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء میں ایسے نبی ہیں جو بنفسِ نفیس اس میثاق کو پورا کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر معاملہ میں استثنا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا کسی طرح بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا۔ میرا احساس یہ ہے کہ جن لوگوں نے کبھی اپنے مدرسہ سے باہر قدم نہیں رکھا' صرف وہی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا اور نبی ہونا بھی عقیدہ ختمِ نبوت سے متصادم خیال کرتے ہیں۔ غالباً ایڈمنسٹریشن کے بارے میں ایسے لوگوں کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ میں اس کو ایک مثال سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

عام مشاہدہ کی بات ہے کہ بعض تھانوں میں انچارج سب انسپکٹر ہوتا ہے اور بعض میں انسپکٹر۔ اب فرض کریں کہ ایک تھانے میں جہاں انچارج سب انسپکٹر ہے' ایک انسپکٹر انچارج بن کر آ جاتا ہے اور سب انسپکٹر کا تبادلہ بھی نہیں ہوتا تو کیا اس صورت میں جبکہ سب انسپکٹر موجود ہے' نئے آنے والے انسپکٹر کی حیثیت میں کوئی فرق پڑا!؟ ہرگز نہیں۔ فائنل اتھارٹی تھانے کے معاملات میں اب پہلے سے موجود سب انسپکٹر نہیں بلکہ انسپکٹر بن گیا۔

میں ایک اور ٹھوس مثال سے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گزشتہ چند سالوں میں پنجاب میں کچھ نئے اضلاع بنائے گئے ہیں۔ مثلاً اوکاڑہ' ٹوبہ ٹیک سنگھ' لیہ' بھکر' چکوال'

پاک پتن وغیرہ۔ اضلاع کا درجہ حاصل کرنے سے قبل یہ مقامات تحصیل کا درجہ رکھتے تھے اور ان مقامات کا انتظامی سربراہ اسسٹنٹ کمشنر ہوتا تھا لیکن ان مقامات کو جب اضلاع کا درجہ دے دیا گیا تو انتظامی سربراہ اسسٹنٹ کمشنر کے بجائے ڈپٹی کمشنر کو بنا دیا گیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اسسٹنٹ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر دونوں ہی کا تعلق سی ایس پی کیڈر (Cadre) سے ہوتا ہے۔ ضلع بننے کے بعد جب یہاں ڈپٹی کمشنر تعینات کیا گیا تو اسسٹنٹ کمشنر پہلے سے وہاں موجود تھا اور موجود رہا لیکن کیا اسسٹنٹ کمشنر کی وہاں پہلے سے موجودگی نے ڈپٹی کمشنر کی حیثیت کو متاثر کیا؟ ہرگز نہیں۔ فرق اگر پڑا تو اسسٹنٹ کمشنر کو پڑا کہ اسی جگہ پر وہ فائنل اتھارٹی نہ رہا بلکہ ڈپٹی کمشنر فائنل اتھارٹی ہو گیا۔ اس مثال سے باآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی (جن کی بعثت محدود طور پر صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے اور ان کا Tanure بھی پورا ہو چکا ہے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بین الاقوامی اور دوامی حیثیت کو متاثر نہیں کرتی اب فائنل اتھارٹی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی اور ان کے متبعین کے لیے بھی تا قیام قیامت صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی فائنل اتھارٹی ہوتے اور ان سب کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور ان کی سنتِ مطہرہ کی پیروی کرنا پڑتی اور ان سب کی موجودگی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت کو متاثر نہ کرتی۔

یہ صرف ایک نظری بات ہی نہیں ہے کہ جملہ انبیاء اور ان کے متبعین کے لیے اب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی مطاع ہیں (اسی وجہ سے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو سید ولد آدم تسلیم کرتا ہوں) بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اس کا عملی مظاہرہ بھی ہو چکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس رات حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے ساتویں آسمان تک اللہ تعالیٰ کے حضور شرف باریابی حاصل کرنے کا سفر کیا تو زمین سے رخصت ہونے سے قبل بیت المقدس میں انہوں نے نماز پڑھائی اور جملہ انبیاء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ اب سے تا قیام قیامت جملہ انبیاء اور ان کے متبعین کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول و فعل ہی حجت ہوگا۔ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی فصل باب فی المعراج میں پانچویں نمبر پر معراج کی حیثیت درج ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے میں صرف اس کا وہی حصہ

نقل کر رہا ہوں جو میرے موضوع سے متعلق ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں:

> ''یہ حقیقت ہے کہ معراج کی رات میں نے اپنے آپ کو انبیاء کے درمیان دیکھا۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ایک میانہ قد مرد نظر آئے جیسے وہ (قبیلہ) شنوءہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے شخص ابن مسعود ثقفی ہیں پھر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے ان سب سے زیادہ مشابہت جو شخص رکھتا ہے وہ تمہارا دوست ہے جب نماز کا وقت آیا تو میں ان کا امام بنا۔''

ایک عام آدمی (Layman) کی حیثیت سے ختم نبوت کا مطلب جو میں نے سمجھا ہے وہ میں نے عرض کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی یا سب کی موجودگی کسی طرح بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتی۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کے سفر میں مسجد اقصیٰ میں انبیاء سے ملاقات کی تھی تو اس موقع پر انبیاء کرام کی ارواح موجود تھیں اور ان کے جسم موجود نہ تھے اور ان ارواح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی شامل تھی۔ لہٰذا اس سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہوگئی۔ علاوہ ازیں کوئی صاحب یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روحانی دنیا کے معاملات کو اس مادی دنیا کے معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس مسئلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ حدیث معراج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جملہ انبیاء کے لیے اب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی مطاع ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حیثیت اس سے متاثر نہیں ہوتی کہ وہاں جملہ انبیاء کرام کی ارواح ہی موجود تھیں اور وہ ارواح ان کے جسموں میں موجود تھیں یا جسموں کے بغیر بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اصل اہمیت تو حاصل ہی روح کو ہے جسم تو صرف روح کا آلہ کار (Tool) ہے۔ ویسے بھی جسم تو اضافی (Relative) چیز ہے۔ انسان جو جسم لے کر پیدا ہوتا ہے جوانی میں وہ جسم موجود نہیں رہتا اسی طرح بڑھاپے میں انسانی جسم وہ نہیں ہوتا جو جوانی میں ہوتا ہے جو لوگ بائیولوجی کے طالب علم ہیں

انہیں معلوم ہے کہ جسم کے (Cell) خلیے مرتے بھی رہتے اور جھڑتے بھی رہتے ہیں اور نئے خلیے (Cell) پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اصل چیز تو روح ہے جو مکلف ہے جسم تو صرف (Container) برتن ہے اور روح کا آلہ کار کہ اس کے بغیر روح اپنا اظہار نہیں کر سکتی جس طرح بلب کے بغیر بجلی اپنا ظہور نہیں کر سکتی لیکن اصل چیز بجلی ہے بلب اس کا آلہ کار اگر بیت المقدس میں انبیاء کرام کی ارواح نے ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء کی ہے تو میرا مقدمہ ثابت ہو گیا اور اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان انبیاء کرام میں کوئی نبی بھی جسم کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ میں اس بات کو بھی خارج از امکان نہیں سمجھتا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام وہاں اپنے جسموں کے ساتھ موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لیے کچھ وقت کے لیے زندہ کر دیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ہر معاملہ میں ہیں ہی ایک استثناء۔ ان کی پیدائش استثناء' ان کا رفع استثناء' ان کا نزول استثناء اس لیے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مجلس میں اس طرح موجود ہوں جس طرح کوئی بھی شخص موجود ہو سکتا ہے تو اس میں ہرگز کوئی جائے تعجب نہیں لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنے جسموں کے ساتھ موجود ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بھی موت دینے کے بعد قیامت سے قبل زندہ نہیں کرے گا' بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بطورِ پروانہ تقرری (Appointment Letter) عطا کیا تھا کہ وہ "قم باذن اللہ" کہہ کر مردے کو زندہ کر دیں اور انہوں نے کسی مردہ کو زندہ کر کے یہ پروانہ تقرری دکھایا بھی ہوگا۔ قرآن مجید میں ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزانہ طور پر کس مردہ شخص کو زندہ کیا تھا اس لیے ہم اس مقصد کے لیے بائبل سے رجوع کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے۔ بائبل کی کتب "متی" اور "یوحنا" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردہ کو زندہ کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ "متی" میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

> "وہ ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک سردار نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائے گی جب بھیڑ نکال دی گئی تو اندر جا کر اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور لڑکی اٹھی اور اس بات کی شہرت اس تمام علاقہ میں پھیل گئی۔"

(متی باب نمبر ۱۰ فقرہ نمبر ۱۸ تا نمبر ۲۶)

بائبل کی کتاب ''یوحنا'' میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مردہ کو زندہ کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ پوری تفصیل اس کتاب کے باب نمبر ۱۱ میں درج ہے' میں اس کا ضروری حصہ ہی نقل کرتا ہوں:

''یسوع پھر اپنے دل میں نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر آیا۔ وہ ایک غار تھا اور اس پر پتھر دھرا تھا۔ یسوع نے کہا پتھر کو ہٹاؤ اس مرے ہوئے شخص کی بہن مرتھا نے اس سے کہا اے خداوند! اس میں سے تو اب بدبو آتی ہے کیونکہ اسے چار دن ہو گئے ہیں اور یہ کہہ کر اس نے بلند آواز سے پکارا کہ اے لعزر نکل آ' جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا۔ یسوع نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔'' (یوحنا باب نمبر ۱۱' فقرہ نمبر ۳۸ تا ۴۴)

ایک مردہ کے زندہ کرنے کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی پیش آیا تھا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک نوجوان قتل ہو گیا اور قاتل کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کی ایک ران مقتول کے جسم سے لگائی جائے' وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے گا۔ قرآنِ کریم میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

''جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسا جہالت والوں کا سا کام کروں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجیے اپنے رب سے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ بیل ایسا ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمر کے وسط میں سو اب (زیادہ حجت مت کرو بلکہ) کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کیجیے

ہمارے لیے اپنے رب سے یہ (بھی) بیان کردیں کہ رنگ اس کا کیسا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر سے اپنے رب سے دریافت کر دیجیے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ ہم کو اس بیل میں (قدرے) اشتباہ ہے اور ہم ضرور انشاء اللہ تعالیٰ (اب کی بار) ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو ہل میں چلا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو (یہ سن کر) کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور (اپنی حجتوں سے بظاہر) کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے اور جب تم لوگوں (میں سے کسی نے) ایک آدمی کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے اس لیے ہم نے حکم دیا کہ اس کو اس کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مظاہر قدرت تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام کیا کرو۔" (سورۃ البقرہ نمبر ۶۷ تا نمبر ۷۳، ترجمہ مولانا تھانوی)

حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہو تو وہ جب چاہے کسی بھی مردہ شخص کو قبل از قیامت زندہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا میں یہ یقین کرنے میں ہرگز متردد نہیں ہوں کہ جملہ انبیاء نے اپنے جسموں کے ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء کی تھی اور اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ دیر کے لیے زندہ کر دیا تھا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے ہی زندہ تھے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کا نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تک زندہ ہونا یا زندہ ہو جانا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ ان کا دور (Tanure) پورا ہو چکا ہے اور ان سب کے لیے اب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی مطاع ہیں۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے جناب قمر عثمانی صاحب مزید فرماتے ہیں:

''واوصنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیا'' اور اس نے مجھے (نظام) صلوٰۃ اور (نظام) زکوٰۃ (قائم کرنے) کا حکم دیا جب تک میں زندہ ہوں۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ایک عام انسان کے لیے تو ان ہر دو فرائض کی بجا آوری کا حکم اس ذات تک محدود ہوتا ہے کہ اس نے جونہی یہ فرائض ادا کر دیئے وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا مگر ایک صاحبِ کتاب نبی کے لیے یہی حکم نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ کے قیام سے عبارت ہوتا ہے اور یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس میں ان دونوں نظاموں کو پوری طرح جاری اور نافذ کرے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے منصبِ نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور یہ ذمہ داریاں اس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہتی ہیں اسی لیے آیت زیر نظر میں بھی ان ذمہ داریوں کی بجا آوری کو ''مادمت حیا'' کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے لہٰذا ان دونوں صورتوں یعنی ''این ما کنت'' اور ''مادمت حیا'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور فرائض نبوت کی بجا آوری ہر قید مکانی اور قید زمانی سے آزاد ہو جاتی ہے اور ان کی زندگی کو تو ہم نے پہلے ہی قربِ قیامت تک طول دے کر جاوداں بنا دیا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا عثمانی صاحب نے قوسین میں ''نظام'' کے لفظ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ نظام کیا جا سکتا ہو۔ جی نہیں چاہتا کہ جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کی مذکورہ بالا فاضلانہ بحث پر کوئی تبصرہ کیا جائے۔ صرف ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے میں بھی چند معروضات پیش کر دیتا ہوں۔ جناب عثمانی

صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "این ما کنت" اور "مادمت حیا" کے الفاظ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ہر قید مکانی اور قید زمانی سے آزاد کر دیا ہے۔ میں آج تک اس غلط فہمی میں تھا کہ صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہی بین الاقوامی اور دوامی ہے۔ انبیاء سابقین میں ہر ایک کی نبوت کسی نہ کسی خاص قوم کی طرف ہی تھی۔ جناب عثمانی صاحب کا شکریہ کہ انہوں نے میری غلط فہمی دُور کر دی۔

میں یہ بھی تسلیم کر لیتا ہوں کہ ایک نبی کے لیے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطلب نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کا قیام ہوتا ہے لیکن کیا نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم گروہِ انبیاء میں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہی تھا یا ہر نبی کو یہ حکم دیا جاتا رہا ہے؟ اگر ہر نبی کو یہ حکم دیا جاتا رہا ہے کہ وہ نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ قائم کرے تو حضرت لوط علیہ السلام' حضرت صالح علیہ السلام' حضرت ہود علیہ السلام نے نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کس طرح قائم کیا تھا؟ کیونکہ ان کی اقوام تو ان پر ایمان ہی نہیں لائی تھی جب تک کسی نبی کی قوم اس پر ایمان نہیں لاتی اس وقت تک ادائیگی صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کا حکم ان کی ذات تک ہی محدود رہے گا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ وہ نبوت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گھوارے میں ہی یہ بات کہہ دی تھی کہ اللہ نے انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے تو کیا انہوں نے گھوارے میں نماز پڑھنا شروع کر دی اور زکوٰۃ ادا کرنا شروع کر دی تھی؟ اگر نہیں تو کیا وہ کارِ رسالت انجام دینے میں ناکام رہے؟ ہر حکم کی تعمیل کا ایک وقت ہوتا ہے یا مخصوص حالات ہوتے ہیں جس شخص کی جیب بالکل خالی ہو تو وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوگا کہ وہ ادائیگی زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل نہیں کر رہا۔ میں جناب مولانا قمر عثمانی صاحب سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہوں کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں قید تھے تو وہ نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کس طرح قائم کر رہے تھے؟ میں یہ سوال اس مفروضہ کی بناء پر کر رہا ہوں کہ مولانا عثمانی صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جانے کے باوجود مچھلی کی خوراک نہیں بنے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب وہ اپنی قوم میں ہیں ہی نہیں اور جب تھے تو ان کی اقوام ان پر ایمان ہی نہیں لائی تھیں تو وہ نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کے قیام کے

مکلّف کس طرح ہو گئے۔

مجھے نہیں معلوم کہ جن لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلام کا ادیانِ عالم پر غلبہ قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پورا ہوگا' ان کے نزدیک اس کی صورت کیا ہے۔ حدیث سے جو اطلاع ہمیں ملتی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمام ادیان مٹ جائیں گے اور صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ میرے نزدیک یہ نتیجہ ہوگا حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا نہ کہ مقصد میں اپنی بات کو کئی مثالوں سے واضح کر سکتا ہوں لیکن تاریخ کو نظر انداز کرتے ہوئے میں روزمرہ زندگی سے ایک مثال دے کر اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

فرض کیجیے آپ باغ میں سیر کے لیے جاتے ہیں اور وہاں آپ کو پھولوں کی خوشبو بھی مل جاتی ہے اب باغ میں جانے سے آپ کا مقصد تو صرف سیر کرنا تھا لیکن اس کے نتیجے میں آپ کو خوشبو بھی مل گئی۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا اصل مقصد تو یہود کو دجال مسیح سے نجات دلانا ہوگا لیکن چونکہ ان کی آمد اس طرح معجزانہ ہوگی کہ یہود کے پاس ان کو مسیح تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہوگا' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئیں گے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زبانِ مبارک سے اپنے ابن اللہ ہونے کی تردید کر رہے ہوں گے اور تجسم کفارہ اور ازلی گناہ جیسے عقائد پر تبرا کر رہے ہوں گے تو تثلیث پرست عیسائی بھی ان کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئیں گے اس طرح یہودیت اور عیسائیت دونوں ادیان ختم ہو جائیں گے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ الہامی دین اسلام کے علاوہ صرف یہودیت اور عیسائیت ہیں۔ ہندو اور بدھ مت تو فلسفیانہ مذاہب ہیں' ان کی بنیاد وحی اور الہام ہے ہی نہیں اور اس وجہ سے یہ بے بنیاد مذاہب ہیں صرف اسی وجہ سے باقی ہیں کہ مسلمان تبلیغ دین کے معاملہ میں نالائقی کا ثبوت دیتے رہے ہیں جس روز بھی مسلمانوں نے ہندوؤں اور دوسرے فلسفیانہ مذاہب کے پیروکاروں میں تبلیغ دین شروع کر دی' اسی روز یہ مذاہب سکڑنا شروع ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ مٹ جائیں گے۔

جناب عثمانی صاحب نے اپنی تائید میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا

ہے۔ ان کا نقطہ نظر میرے لیے یا کسی اور کے لیے حجت نہیں ہے۔ میرے دل میں مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام ہے' مجھے ان کی زندگی میں حضرت سلمان فارسی کی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ بایں ہمہ اگر ان کا نقطہ نظر بھی وہی ہے جو جناب عثمانی صاحب کا ہے تو میں بصد ادب ان سے اختلاف کرتا ہوں' ان کا نقطہ نظر ان کی مجبوری بھی ہو سکتا ہے کیونکہ نیوٹن کے دور میں پیدا ہوئے تھے لیکن غالبًا ایسا ہے نہیں۔ مجھے مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''رسالہ محمودیہ'' مع اُردو ترجمہ مل گئی ہے اس کے صفحہ نمبر 27 پر مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک الہام ان کی کتاب ''تفہیمات الالٰہیہ'' سے پسندیدگی کے ساتھ (With Approval) نقل کیا ہے جو اس طرح ہے:

> ''عنقریب کمال کے اُفق کا سردار بن جائے گا اور قربِ الٰہی کی اقلیم پر حاوی ہو جائے گا۔ تیرے بعد کوئی مقربِ الٰہی ایسا نہیں ہو سکتا جس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں تیرا ہاتھ نہ ہو یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں۔'' (رسالہ محمودیہ اُردو ترجمہ رسالہ عبیدہ صفحہ نمبر ۲۷)

اگر مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے قائل نہ ہوتے تو وہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الہام کو نقل نہ کرتے اور اگر نقل کرتے تو اس کے ساتھ اپنا اختلافی نوٹ ضرور لکھتے۔ اس بناء پر میں یہی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں کہ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بھی اس مسئلہ میں وہی تھا جو اُمتِ مسلمہ کے سوادِ اعظم کا ہے۔

سلب نبوت کا تصور یا عقیدہ ختم نبوت کی نفی

اس عنوان کے تحت مولانا عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کر لیا جائے اور یہ نقطہ نظر اختیار کیا جائے کہ قیامت سے قبل ایک بار پھر وہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو یہ نقطہ نظر عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہے کیونکہ سلب نبوت کا قرآن میں کوئی تصور نہیں اس لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے تو نبی بھی ہوں۔ مولانا عثمانی صاحب کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے میں ان کی تحریر من وعن درج کر رہا ہوں۔

> ''اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر

تشریف لائیں گے تو از روئے روایات ان کی حیثیت نبی کی نہ ہوگی بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک عام اُمتی کی حیثیت سے اشاعتِ اسلام اور غلبہ اسلام کے لیے کام کریں گے تو اس صورت میں اوّل تو آپ کے ارشاد "وجعلنی نبیاً وجعلنی مبرکا این ما کنت" کے "حق تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا اور بابرکت بنایا (دریں حالت کہ) میں جہاں کہیں بھی ہوں" کی نفی ہوتی ہے اور اس پر دوسرا زبردست اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی کسی آیت سے اشارتاً بھی سلب نبوت کا کوئی تصور ثابت نہیں ہے جس کی بناء پر ایک صاحبِ کتاب نبی کو مسلوب النبوت فرما کر ایک عام اُمتی کا درجہ دے دیا جائے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا اثبات قربِ قیامت تک ہو جاتا ہے جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے عقیدہ کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ بیک وقت دو عالمگیر نبوتیں مجتمع نہیں ہوسکتیں اور عقیدہ ختم نبوت کی موجودگی میں تو کسی ظلی و بروزی نبوت کا تصور بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ ایک ایسے صاحبِ کتاب نبی کی رسالت کو تسلیم کر لیا جائے جس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ ماقبل سے شروع ہو کر قربِ قیامت تک جاری وساری رہے؟ اس صورتِ حال میں لازماً عقیدہ ختم نبوت اور عقیدہ حیاتِ مسیح علیہ السلام میں سے کسی ایک عقیدہ کا انتخاب کرنا ہوگا اور دوسرے عقیدے سے دست بردار ہونا پڑے گا کہ دونوں عقیدے ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

یا چنان کن یا چنیں"

جناب عثمانی صاحب مندرجہ بالا عبارت کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنا اور ان کو نبی بھی تسلیم کرنا عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہے۔ ان کی تحریر سے جو بات از خود نکل آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ آج سے دو ہزار برس قبل بوجہ

طبعی موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے تھے تو پھر وہ نبی بھی نہ رہے۔ گویا مولانا عثمانی کے نزدیک جب اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو موت آ جاتی ہے تو اس کی نبوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مولانا عثمانی صاحب کے خیال کے مطابق موت سے نبوت سلب ہو جاتی ہے۔ میں مولانا عثمانی صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں یا یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو اسے واضح طور پر بیان کرنا چاہیے تھا کیونکہ اگر موت سلب نبوت کی وجہ ہو سکتی ہے تو طبعی موت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی وارد ہو چکی ہے لیکن کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ طبعی موت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نبوت سلب کر لی ہے۔

بات کو سمجھنے کے لیے میں یہ تسلیم کر لیتا ہوں کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام طبعی موت کی بناء پر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے لیکن کیا اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نبوت سلب ہو گئی؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے' نبوت وہ مقام ہے' وہ اعزاز اور منصب ہے جسے موت سلب نہیں کر سکتی۔ موت ہے کیا؟ اِدھر سے اُدھر جانے کا نام۔ زندگی کے سفر میں گاڑی تبدیل کرنے کو موت کا نام دے دیا گیا ہے

ہر دَم جواں پیہم رواں ہے زندگی

اب اگر یہ تسلیم ہے کہ موت سے نبوت سلب نہیں ہو سکتی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا سے بوجہ موت رخصت ہو جانے کے باوجود کل بھی نبی تھے' آج بھی نبی ہیں اور آئندہ بھی نبی ہوں گے اگر وہ آج بھی نبی ہیں تو کیا وہ ہمارے لیے واجب الاطاعت ہیں؟ کیا ان کا قول وفعل ہمارے لیے حجت ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے' کیوں؟ کیا اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوجہ طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا یا نہ ہونا اس سوال سے بالکل غیر متعلق (Irrelevant) ہے۔ وہ زندہ ہوں یا آج سے دو ہزار سال قبل بوجہ موت دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں' ہمارے لیے وہ اس وجہ سے واجب الاطاعت نہیں ہیں کہ ان کا دور (Tanure) اس روز پورا ہو گیا جس روز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ حکم مل گیا قم فانذر اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دورِ نبوت تا قیام قیامت ہے اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی ابھی زندہ ہے یا نہیں ہے اگر تمام انبیاء بھی زندہ ہوتے یا اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اب تمام انبیاء کو

زندہ کر دے پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ ان سب کے لیے بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اب مطاع ہیں اور باوجود اس کے کہ نبوت ان میں سے کسی کی بھی سلب نہیں ہوئی اب ان سب کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول وفعل ہی حجت ہوگا' کیوں؟ اس لیے کہ ان سب کی بعثت کسی نہ کسی مخصوص قوم کے لیے تھی اور ان سب کے عہد (Tanure) پورے ہو چکے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت پوری نوع انسانی کے لیے ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عہد (Tanure) تا قیام قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

> ''کہہ اے (دنیا جہان کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی زندگی دیتا ہے' وہی موت دیتا ہے سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی اُمی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور ان کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس (نبی) کا اتباع کرو تا کہ تم راہ (راست) پر آ جاؤ۔'' (الاعراف نمبر ۱۵۸' ترجمہ مولانا تھانوی)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو بھی حیثیت ہے اس کی وضاحت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت تمام کر دی اور نوعِ انسانی کے لیے اسلام کو تا قیام قیامت بطورِ دین کے پسند کر لیا اور اعلان کر دیا کہ:

> ''بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔'' (آل عمران نمبر ۱۹' ترجمہ مولانا تھانوی)

اسی اعلان نے جملہ انبیاء کے عہد (Tanure) کو ختم کر دیا۔ ہم اگر کسی عیسائی یا یہودی کو اسلام پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بوجہ موت نبوت سلب ہو چکی ہے بلکہ ہم ان کو اس لیے دعوتِ ایمان دیتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء کا دور ''قد خلت'' ہو چکا ہے۔ ان سب کے عہد (Tanure) پورے ہو

چکے ہیں اب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عہد (Tanure) ہے جو قیام قیامت تک جاری رہے گا لہٰذا گزشتہ انبیاء میں سے کسی کا آج زندہ ہونا کسی طرح بھی عقیدہ ختم نبوت سے متصادم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

چند اشکال اور ان کے جوابات

اس عنوان کے تحت جناب عثمانی صاحب نے چند اشکالات کے جواب دیئے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ان کو بھی دیکھ لیا جائے:

ا۔ سب سے پہلا اشکال جسے انہوں نے حل کرنے کی کوشش کی ہے' وہ ان کے نزدیک سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۶ سے پیدا ہوتا ہے اس کو انہوں نے کس طرح حل کیا ہے' وہ آپ ان کی تحریر سے ملاحظہ فرما سکتے ہیں جسے قارئین کی سہولت کے لیے من وعن درج کر رہا ہوں۔ میں نے خود بھی اسے بار بار پڑھا ہے' اور قاری کو بھی اسے پڑھنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکے گا کہ جناب عثمانی صاحب اس اشکال کو حل کر سکے یا نہیں؟ وہ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک اس دعوے کے اثبات کا تعلق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو بحالتِ جسمانی آسمان پر زندہ اُٹھا لیے گئے اور نہ وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی متذکرہ آیات کے تائیدی بیانات سے اس کا اثبات پوری طرح ہو گیا ہے البتہ قرآنِ کریم ہی کی بعض آیات سے اس ضمن میں جو چند اشکال پیش کیے جاتے ہیں' ان کا رفع کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔
>
> اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ کہی جاتی ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۶ میں کہا گیا ہے کہ ''ویکلم الناس فی المھد و کھلاً و من الصالحین'' اور لوگوں سے کلام کریں گے گہوارے میں اور پختہ عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔ ہم نے لفظ ''کھلا'' کا ترجمہ پختہ عمر کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ادھیڑ عمر اور مولانا اشرف علی تھانوی نے بڑے ہو کر کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ

اللہ علیہ نے موضح القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے ایسی ہی باتیں کریں گے جیسی گھوارے میں کی ہیں یعنی توحید و رسالت کی تبلیغ فرمائیں گے۔ مطلب و مفہوم کے اعتبار سے ان ترجموں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ کہولت کی عمر بہ اعتبار لغت 30 سے 50 سال تک ہوتی ہے اور جو لوگ بعض ضعیف روایات کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے اور جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کریں گے' ان کا یہ دعویٰ محض بے دلیل ہے کیونکہ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کی عمر پختہ ہی ہوتی ہے۔ عنوان شباب یا آغازِ جوانی میں یہ ذمہ دارانہ منصب کسی ناپختہ ذہن و عمر کے انسان کو یونہی نہیں سونپ دیا جاتا۔'' (صفحہ نمبر ۲۹)

جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کی مہربانی ہے کہ ان کے ذریعے ہمیں معلوم ہو گیا کہ منصب نبوت کسی ناپختہ ذہن اور ناپختہ عمر کے انسان کو عطا نہیں کیا جاتا۔

سورۂ آل عمران کی اس آیہ مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دو خصوصی صفات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہیں ان کا گھوارے میں کلام کرنا اور کہولت کی عمر میں کلام کرنا۔

میرے نزدیک کہولت کی عمر 40 سال سے شروع ہوتی ہے اس سے قبل جوانی کا دور ہوتا ہے لیکن میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ کہولت کی عمر 30 سال سے شروع ہوتی ہے یا 40 سال سے۔ مولانا عثمانی کے نزدیک اس کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس آیہ مبارکہ کے ذریعے حضرت مریم علیہ السلام کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کا فرزند جب کہولت کی عمر کو پہنچے گا تو گونگا نہیں ہو جائے گا کیونکہ مولانا قمر عثمانی صاحب کی اطلاع کے مطابق اس دور میں جونہی کوئی شخص کہولت کی عمر کو پہنچتا تھا تو گونگا ہو جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس خوشخبری کے ذریعے حضرت مریم علیہ السلام کی یہ پریشانی دُور کر دی۔ ماشاء اللہ کیا تفسیر ہے اس آیہ مبارکہ کی اور کیا فاضلانہ تشریح ہے' قربان ہونے کو جی چاہتا ہے لیکن کیا مناسب نہیں ہوگا کہ زیادہ خوش ہونے سے پہلے ہم اس آیہ مبارکہ کا سیاق و سباق دیکھ لیں اس آیہ مبارکہ سے متعلقہ مضمون آل عمران کی آیت نمبر ۴۲ سے شروع ہوتا

ہے اس سے قبل حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے:

''اور جس وقت کہا فرشتوں نے اے مریم تحقیق اللہ نے برگزیدہ کیا تجھ کو تمام عالموں کی عورتوں کے اوپر۔ اے مریم فرماں برداری کر اپنے پروردگار کے واسطے اور سجدہ کیا کر اور رکوع کیا کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ یہ غیب کی خبریں ہیں' وحی کرتے ہیں ہم اس کو طرف تیرے اور نہ تھا تو ان کے پاس جب جھگڑتے تھے جس وقت کہا فرشتوں نے۔ اے مریم تحقیق اللہ بشارت دیتا ہے تجھ کو ساتھ ایک بات اپنی طرف سے نام اس کا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام بیٹا مریم علیہ السلام کا۔ آبرو والا بیچ دنیا کے اور آخرت کے اور نزدیک کیے گئے لوگوں میں سے اور باتیں کرے گا لوگوں سے بیچ جھولے کے اور ادھیڑ اور صالحوں میں سے۔ کہا اے میرے رب کیونکر ہوگا میرے واسطے بچہ اور نہیں ہاتھ لگایا مجھ کو کسی آدمی نے۔ کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب مقرر کرتا ہے کچھ کام کو پس سوائے اس کے نہیں کہ کہتا ہے اس کو ''ہو'' پس ہو جاتا ہے اور سکھا دے گا اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل'' (آل عمران نمبر ۴۲ تا نمبر ۴۸' ترجمہ شاہ رفیع الدین)

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۶ اس خوشخبری کا ایک حصہ ہے جو فرشتوں نے حضرت مریم علیہ السلام کو اس وقت سنائی جب وہ حجرے میں معتکف تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹا عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس بیٹے کی چند خصوصیات سے آگاہ کیا جن میں سے دو یہ ہیں:

1- گہوارے میں یہ معجزانہ طور پر باتیں کرے گا اور اس طرح اپنی والدہ کی پاک دامنی ثابت کرے گا۔

2- وہ ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ گہوارے میں کلام کرنا تو ایک معجزہ ہے لیکن کیا ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی کوئی ایسی انوکھی خصوصیت ہے کہ اگر حضرت مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ بتائی جاتی تو ان کو معلوم ہی نہ ہوتا؟ کیا اس دور میں لوگ ادھیڑ عمر میں گونگے ہو جاتے تھے؟ ادھیڑ عمر

تو جس شخص کو بھی نصیب ہو جائے' وہ ادھیڑ عمر میں اسی طرح باتیں کرے گا جس طرح پہلے کرتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان دو خصوصیات کو ان پر احسان کے طور پر اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے' ملاحظہ فرمایئے:

> ''جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام میرے اس فضل کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا ہے جبکہ میں نے روح القدس سے تمہاری تائید کی اور تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گہوارے میں بھی اور ادھیڑ (عمر) ہو کر بھی۔'' (سورۃ المائدہ نمبر ۱۱۰' ترجمہ مولانا اصلاحی)

اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حشر کے روز ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنی عنایات گنوائے گا جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر کی ہیں اور فرشتے جب حضرت مریم علیہ السلام کو ایک بیٹا دیئے جانے کی خبر دیتے ہیں تو وہ بھی اس بیٹے کی یہی دو خصوصیات بیان کرتے ہیں یعنی:

1- وہ گہوارے میں کلام کرے گا۔

2- وہ ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔

اب مجھے جناب مولانا قمر احمد عثمانی یا ان کے ہم خیال حضرات میں سے کوئی یہ بتائے کہ گہوارے میں کلام کرنا تو یقیناً ایک معجزہ ہے لیکن ادھیڑ عمر میں کلام کرنا آخر کونسا ایسا خصوصی فضل ہے جو کبھی کسی پر نہ کیا گیا ہو اور فضل بھی ایسا کہ فرشتے بھی حضرت مریم علیہ السلام سے اس کا ذکر کریں اور حشر کے روز اللہ تعالیٰ بھی اسے احسان کے طور پر یاد دلائے۔ میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں خصوصیات یکساں نوعیت کی ہیں' ان میں کوئی فرق نہیں اگر گہوارے میں کلام کرنا ایک معجزہ ہے تو ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی اسی طرح کا معجزہ ہونا چاہیے۔ تب ہی وہ ایک خصوصی فضل شمار کیا جا سکتا ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہی ہوا ہوگا۔ گروہِ انبیاء علیہم السلام میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہی ایسی ہوگی جسے اللہ تعالیٰ اپنا یہ احسان جتلائے گا لیکن ادھیڑ عمر میں کلام کرنا معجزہ اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُٹھائے گئے تو وہ ان کی جوانی کا وقت تھا۔ اس زمین پر ان کو ابھی ادھیڑ عمر نصیب ہی نہیں ہوئی تھی۔ اب جب وہ

دوبارہ اس زمین پر تشریف لائیں گے تب ہی ان کو ادھیڑ عمر نصیب ہوگی۔ دوبارہ اس دنیا میں آ کر ادھیڑ عمر پانا ہی ایسا خصوصی فضل ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا گیا ہے اگر وہ دوبارہ اس زمین پر نہ آئیں تو ان کو نہ ادھیڑ عمر نصیب ہوگی اور نہ ہی وہ ادھیڑ عمر میں کلام کر سکیں گے اگر قادیانی حضرات یہ کہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آج سے دو ہزار سال قبل کشمیر میں ادھیڑ عمر نصیب ہوگئی تھی تو اس صورت میں ادھیڑ عمر میں کلام کرنا کس طرح خصوصی فضل شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص ادھیڑ عمر میں کلام کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دو خصوصیات:

1۔ گہوارے میں کلام کرنا

2۔ کہولت کی عمر میں کلام کرنا

ایسے خصوصی فضل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی میں صرف اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیے ہیں اور حقیقت میں یہ ہیں بھی ایسے انوکھے فضل کے حشر کے روز اللہ تعالیٰ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان کے طور پر جتلائے تو ہرگز جائے تعجب نہیں۔

2۔ دوسرا اشکال جناب قمر عثمانی صاحب کے نزدیک سورۃ الزخرف کی آیت نمبر ۶۱ سے پیدا ہوتا ہے جس کا ترجمہ اس طرح ہے:

> ''اور وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے تعین کا ذریعہ ہیں تم لوگ اس (کی صحت) میں شک مت کرو اور میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔''
>
> (ترجمہ مولانا تھانوی)
>
> اس آیہ مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے جناب عثمانی تحریر فرماتے ہیں:
>
> ''اس ضمن میں سورۃ الزخرف کی یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے ''وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها واتبعون هذا صراط مستقيم'' ''اور وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہے تو تم اس (کی صحت) میں شک نہ کرو اور میری پیروی اختیار کرو کہ سیدھا راستہ یہی ہے۔'' اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتایا گیا ہے تو اس حقیقت سے کون انکار کر رہا ہے جو بڑے بڑے معجزات بحکم خداوندی ان سے ظہور پذیر ہوئے۔ مثلاً بے جان

اجسام میں جان ڈالنا' مردوں کو "قم باذن الله" کہہ کر زندہ اُٹھا کھڑا کرنا وغیرہ وغیرہ تو یہ ساری باتیں قیامت ہی کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ جناب عثمانی صاحب نے کس طرح اشکال رفع فرمایا ہے' ان کے نزدیک قیامت کی نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی طور پر دوبارہ اس سرزمین پر آنا نہیں ہے بلکہ وہ حسی معجزات قیامت کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پروانہ تقرری کے طور پر عطا کیے تھے گویا اس آیت میں "وہ" کی ضمیر (واحد غائب مذکر) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نہیں بلکہ بے جان اجسام میں جان ڈالنا اور مردوں کو زندہ کرنا اور اس کے علاوہ "وغیرہ وغیرہ" کے لیے استعمال کی ہے۔ ہم مان لیتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نہیں بلکہ ان کے معجزات اور "وغیرہ وغیرہ" کے لیے ہے لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جناب مولانا قمر عثمانی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو حسی معجزات عطا کیے تھے وہ یہ تھے:

1- مردہ زندہ ہو گیا۔

2- مٹی سے پرندے کی شکل بنائی گئی اور اس میں جان پڑ گئی۔

لیکن وہ یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے دشمنوں سے بچانے کے لیے اُٹھا لیا تھا اور ضرورت پڑنے پر جس طرح انہیں اُٹھایا تھا اسی طرح معجزانہ طور پر انہیں واپس بھی لا سکتا ہے اور یہ واقعہ قیامت برپا ہونے کے قریب ہو گا اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت کی نشانی ہوں گے۔

اس موقع پر جناب قمر احمد عثمانی صاحب سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات:

1- مردہ کو زندہ کرنا

2- مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں جان ڈال دینا

3- وغیرہ وغیرہ

کو قیامت کی نشانیاں تو شمار کر لیا ہے لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے حسی معجزہ یعنی عصا کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ وہ بھی ایک بے جان لکڑی تھی جس نے اللہ کے حکم سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں زندہ اژدہا کی شکل اختیار کر لی تھی بلکہ وہ ساحروں کی رسیوں "وغیرہ وغیرہ" کو سب لوگوں کے سامنے نگل بھی گیا تھا اگر مٹی سے پرندہ کی بنائی گئی شکل کا زندہ پرندہ بن جانا قیامت کی نشانی ہو سکتا ہے تو بے جان لکڑی کا زندہ اژدہا بن جانا قیامت کی نشانی کیوں نہیں ہو سکتا؟ امید ہے اپنے رسالہ کے اگلے ایڈیشن میں وہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کو بھی "وغیرہ وغیرہ" کے ساتھ قیامت کی نشانیوں میں شمار کر لیں گے اب یہ بات میں قاری کے فہم پر چھوڑتا ہوں کہ مولانا عثمانی صاحب نے اس اشکال کو کس حد تک دُور کر دیا ہے؟ یا مزید اشکال پیدا کر دیا ہے اور وہ اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کی نشانیاں از قسم مردہ کو زندہ کرنا' مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں جان ڈالنا اور "وغیرہ وغیرہ" کو تو آج سے دو ہزار سال قبل نازل کر دیا لیکن قیامت ابھی تک برپا نہیں کی۔ غالباً قیامت کی نشانیاں نازل کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو یاد آیا ہوگا کہ ابھی تو میں نے اپنی آخری کتاب کو بھی نازل کرنا اور آخری رسول کو بھی مبعوث کرنا ہے اس خیال کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے قیامِ قیامت کو مزید چند ہزار سال کے لیے مؤخر کر دیا اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ آخر ایسی بھی کیا جلدی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عثمانی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات سے کہہ دیا

کارِ "خدائی" دراز ہے اب "قیامت" کا انتظار کر

تیسرا اشکال عثمانی صاحب کے نزدیک سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ سے پیدا ہوتا ہے جس کا ترجمہ وہ یہ کرتے ہیں:

"اور اہلِ کتاب میں سے کوئی نہیں جو اس کی موت سے قبل اس کی تصدیق نہ کر لے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر شہید ہوگا۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"(اس آیت) سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ان پر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔"

اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ اس آیت میں "وہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے' ملاحظہ فرمائیے:

''موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی ہرزہ سرائیوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے غلط اور بے بنیاد دعووں کا تذکرہ جو خاصا طویل ہے' جملہ معترضہ کے طور پر کیا گیا ہے (اور جملہ معترضہ کی طوالت کسی قدر بھی ہوسکتی ہے) اس کے بعد آیت زیرِ نظر میں روئے سخن پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن کی جانب لوٹ آیا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جس پر اس کی موت سے پہلے قرآن یا صاحبِ قرآن کی صداقت وحقانیت کی تصدیق نہ ہو جائے گی۔ یعنی قرآنِ کریم میں جو باتیں ان کے سابقہ کردار و اعمال کے بارے میں بیان کی گئی ہیں' ان کی تصدیق تو ہر اہلِ کتاب کو ہو ہی چکی ہے اور ان کی موجودہ روش کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ بھی وقوع پذیر ہوتا جا رہا ہے اس لیے امر واقعی کے طور پر قرآن اور صاحبِ قرآن کی صداقت تو ان پر بخوبی واضح ہو چکی ہے اور ہوتی جا رہی ہے مگر یہ اور بات ہے کہ یہ لوگ اپنے تمرد وسرکشی کے باعث زبان سے اس حقیقت نفس الامری کا اعتراف واقرار نہ کر پائیں اور خیال رہے کہ یہاں ''من اھل الکتب'' سے صرف مدینہ میں اس وقت کے آباد اہلِ کتاب مراد ہیں چونکہ یہی لوگ آ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرتے تھے' ساری دنیا کے یا قیامت تک آنے والے اہلِ کتاب مراد نہیں ہیں۔

تو ان اہلِ کتاب کی تصدیق بالقرآن یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت پر یقین کی کیفیت بالکل ایسی تھی جس طرح کوئی مجرم یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے یہ جرم واقعی کیا ہے' عدالت مجاز کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف محض اس لیے نہیں کرتا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو پھر وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا تو اسی طرح ان اہلِ کتاب پر بھی واقعاتی شواہد کی بناء پر قرآن اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت وصداقت تو

ثابت ہو چکی ہے یہ اور بات ہے کہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اس کا زبانی اعتراف نہیں کرتے اس تصریح کے مطابق "وان من اهل الکتب الا لیؤمنن به قبل موته" کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اہلِ کتاب (یعنی مدینہ اور جوارِ مدینہ میں آباد اہلِ کتاب) میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے اس (قرآن یا صاحبِ قرآن) کی تصدیق نہ کرے گا۔

اور ہمارے اس خیال کی تائید کہ "لیؤمنن به" سے قرآن یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا مراد ہے، اسی مقام پر چند آیات کے بعد آیت نمبر ۱۶۶ سے بھی ہو رہی ہے جس میں فرمایا گیا ہے "لکن الله یشهد بما انزل الیک انزله بعلمه والملئکته یشهدون وکفی بالله شهیدا" لیکن حق تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے جس کو آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اپنے پورے علمی کمال کے ساتھ نازل کیا ہے، گواہی دے رہے ہیں اور ملائکہ بھی گواہی دے رہے ہیں اور اللہ ہی کی گواہی کافی ہے کہ "یسئلک اهل الکتب" سے "وکفیٰ بالله شهیدا" تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور ایمان بالقرآن ہی کا بیان مذکور ہے۔"

میں نے جناب عثمانی صاحب کا طویل اقتباس اس لیے دیا ہے کہ قاری کے سامنے ان کا نقطہ نظر پوری طرح واضح ہو جائے۔ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ میں "وہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے ماقبل کی آیات کو دیکھ لیا جائے اور ساتھ ہی یہ ذہن میں رکھا جائے کہ سورۂ نساء کی آیات نمبر ۱۵۷ اور ۱۵۸ میں جہاں بھی "وہ" کی ضمیر آئی ہے، جناب عثمانی صاحب کو تسلیم ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہی ہے۔ میں اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۳ سے شروع کرتا ہوں البتہ بات کو سمجھنے کے لیے آیات نمبر ۱۵۷ اور ۱۵۸ میں "وہ" کی ضمیر کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی لکھ رہا ہوں۔

''آپ سے اہلِ کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں۔ سو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھلا دو جس پر ان کی اس گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی آ پڑی پھر انہوں نے گئو سالہ تجویز کیا تھا' بعد اس کے کہ بہت سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے پھر ہم نے اسے درگزر کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازے میں عاجزی سے داخل ہونا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارے میں تجاوز مت کرنا اور ہم نے ان سے قول و قرار شدید لیے سو ہم نے سزا میں مبتلا کیا ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم علیہ السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں' اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں' وہ غلط خیال میں ہیں اور ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور کوئی شخص اہلِ کتاب سے نہیں رہتا مگر اس (عیسیٰ علیہ السلام یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے مرنے سے پہلے ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے روز وہ (عیسیٰ علیہ السلام یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان (اہلِ کتاب) پر گواہی دیں گے۔'' (سورۂ نساء نمبر ۱۵۳ تا نمبر ۱۵۹)

آپ نے سورۂ نساء کی آیات نمبر ۱۵۳ تا ۱۵۹ نمبر کا مطالعہ فرما لیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد غائب مذکر کی ضمیر کو چھ دفعہ استعمال کیا ہے۔ جناب قمر احمد عثمانی کو تسلیم ہے کہ صیغہ واحد غائب مذکر کی ضمیر چار دفعہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے لیے استعمال کی گئی

ہے لیکن پانچویں اور چھٹی بار واحد مذکر غائب کی یہ ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گئی ہے' کیوں؟ اس لیے کہ اگر پانچویں بار بھی یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال کی جائے تو ان کو اب تک زندہ تسلیم کرنا پڑتا ہے اور دوبارہ آنا بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے جو عثمانی صاحب کو قبول نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہود کے جرائم جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی شامل ہے' کی کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہود اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہوئے تھے' نہ وہ صلیب دیئے گئے اور نہ ہی قتل کیے گئے۔ قتل کی تردید اس لیے کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا دعوتی کام چھوڑ کر اچانک منظر سے غائب ہو گئے تھے اور جو شخص اچانک غائب ہو جائے اور عام حالات میں جن لوگوں کو اس کی نقل و حرکت اور آمدورفت کا علم ہونا چاہیے وہ اس کے بارے میں قطعاً بے خبر ہوں اور کچھ بااثر لوگ اس کے دشمن بھی ہوں تو ایسے شخص کی اچانک گمشدگی پر عام لوگ یہی قیاس کرتے ہیں کہ اسے قتل کر دیا گیا ہوگا۔ میں نے آیت نمبر ۱۵۹ کے ترجمہ میں واحد مذکر غائب کے ساتھ بریکٹ میں (عیسیٰ علیہ السلام یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دونوں نام اس لیے لکھ دیئے ہیں کہ جب قاری آیت نمبر ۱۵۹ کے ترجمہ کو ماقبل آیات کے ساتھ ملا کر پڑھے تو خود فیصلہ کر سکے کہ اس آیت میں واحد مذکر غائب کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو سکتی ہے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے۔ میرے نزدیک اس آیت میں واحد مذکر غائب کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کہ ماقبل کی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کی طرف بطورِ رسول مبعوث ہوئے تھے لہٰذا ضروری تھا کہ یا تو یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی زندگی میں ایمان لے آئیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان پر عذاب نازل ہو جائے کیونکہ:

> "اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔"
>
> (مجادلہ نمبر ۲۱' ترجمہ مولانا تھانوی)

چونکہ ابھی تک نہ تو یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں اور نہ ہی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان پر عذاب نازل ہوا ہے اس لیے ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل یہود ان پر ایمان لے آئیں اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ میں بیان کی ہے۔ ان آیات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہی نہیں تو واحد مذکر غائب کی ضمیر ان کے لیے کس طرح ہو سکتی ہے؟

مولانا سندھی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا نقطہ نظر

مولانا عثمانی صاحب نے اپنی تائید میں مولانا سندھی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' میں سورۂ نساء آیت نمبر ۱۵۹ کی تفسیر کرتے ہوئے واحد غائب کی تمام ضمیروں کا مرجع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو قرار دیا ہے۔ مولانا عثمانی صاحب کے بیان کے مطابق مولانا سندھی نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے:

> ''سب سے پہلے عزیز احمد نے ہمیں بتایا کہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی (دیوبندی) نے اس کے حاشیہ پہ لکھا ہے کہ ''**قبل موتہ**'' کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے دیکھا تو ہماری آنکھیں کھل گئیں اور اب معاملہ صاف ہو گیا ''ایمان'' کا ترجمہ ہماری اپنی تحقیق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا پر قرآن کی حکومت قائم کرنے کے لیے آئے ہیں' ان کے مرکز میں جو حجاز میں ہے' کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ ان کے حکم کے مانے بغیر حجاز میں کوئی طاقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں زندہ رہے تو کام ہی کیا ہوا۔''

اس پر مزید تبصرہ جناب مولانا عثمانی صاحب نے اس طرح کیا ہے:

> ''ہماری بیان کردہ تعبیر اور مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر و تشریح میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم نے ''**لیؤمنن بہ**'' کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں کو متحمل مانا ہے اور ''**قبل موتہ**'' کی ضمیر کے مرجع کا تعین عام مفسرین کی تعبیر کے مطابق اہلِ کتاب پر کیا ہے مگر ان تعبیرات

میں کوئی خاص فرق نہیں ہے جبکہ اہلِ کتاب سے مراد ہم بھی عہدِ رسالت کے انہی اہلِ کتاب کو لے رہے ہیں جو مدینہ یا جوارِ مدینہ میں قیام پذیر تھے تو یہ سب اہلِ کتاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے قبل آپ کی رسالت اور قرآن کی صداقت کو کسی عنوان سے تسلیم کر لیں گے یا خود اپنی موت سے پہلے ایسا کریں گے۔ نتیجہ کے اعتبار سے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے جہاں تک قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کے اثبات کا تعلق ہے تو ہمارا نقطہ نظر بھی وہی ہے جو مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور ہمارے خیال میں مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تعبیر کے قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ تعبیر قرآن کی کسی آیت کے معارض نہیں ہے جبکہ اپنی موت سے پہلے تمام اہلِ کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، خود قرآن کی تصریحات کے منافی ہے اور حقیقتِ حال کے بھی خلاف ہے۔"

میں اس سے قبل مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "رسالہ محمودیہ" سے ایک حوالہ درج کر چکا ہوں، جہاں انہوں نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" سے ایک عبارت نقل کی ہے اور اس کے ساتھ کوئی اختلافی نوٹ نہیں دیا تو کیوں نہ یہ باور کیا جائے کہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بھی اس مسئلہ میں وہی ہے جو اُمتِ مسلمہ کا ہے۔

تمام اہلِ کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا کس طرح قرآن کی تصریحات کے خلاف ہے؟ اس کے بارے میں مولانا عثمانی نے نہ تو قرآنِ کریم کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی کوئی اور منطقی دلیل پیش کی ہے اس کے برعکس قرآنِ کریم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی طرف کسی رسول کو مبعوث کیا تو وہ قوم یا تو اس رسول پر ایمان لے آئی (اور قوم سے مراد پوری قوم ہے اس کی کچھ تعداد نہیں۔ یہ تو ہوا ہے کہ اتمامِ حجت سے قبل اس قوم کے جن افراد کا وقت پورا ہو چکا تھا، وہ حالتِ کفر پر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن اتمامِ حجت کے بعد اس قوم کا کوئی فرد باقی نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو) یا پوری قوم اپنے رسول کی تکذیب کی بناء پر

برباد کر دی گئی اور اس رسول کی نگاہوں کے سامنے اس طرح برباد کر دی گئی جس طرح رسول نے خبر دی تھی۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی پوری قوم ان پر ایمان لے آئی تھی۔

> ''ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔'' (سورۂ صٰفٰت نمبر ۱۴۸' ترجمہ مولانا تھانوی)

معلوم نہیں مولانا عثمانی صاحب کو یہ ناممکن کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کا ہر ہر فرد قوم کی طرف مبعوث کیے گئے رسول پر ایمان لے آئے اور ''حقیقتِ حال'' کے بھی خلاف نہیں الا یہ کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آج سے دو ہزار سال قبل موت سے ہمکنار ہو گئے تھے۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر کا مرجع نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرار دینا تاریخی طور پر بھی غلط ہے۔ تمام دنیا کو معلوم ہے کہ مدینہ کے یہود (الا ماشاء اللہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے' وہ مدینہ سے خیبر چلے گئے تھے اور وہاں یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر فتح خیبر کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت تک مقیم رہے' فتح خیبر کے موقع پر بھی انہیں وہیں مقیم رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی البتہ کچھ شرائط طے کر دی گئی تھیں' ان شرائط کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا موضوع زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جزیرہ نمائے عرب سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ محمد حسین ہیکل اپنی کتاب ''عمر فاروق اعظم'' میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے' ان میں عرب ممالک کی سیاسی وحدت بھی شامل تھی لیکن ان کی اس دلچسپی نے انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اعانت سے کبھی غافل نہیں کیا اور وہ صدیقی سیاست کے نفاذ میں پورے خلوص سے کوشاں رہے اس کے بعد جب وہ خود مسند آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے اپنی توجہ اسی

وحدت کے استحکام پر مبذول فرمائی۔ ان کے غور و فکر نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا کہ یہ وحدت اس وقت تک محفوظ و مامون نہیں رہ سکتی جب تک وہ ہر قسم کے شائبے سے بالکل پاک نہ ہو جائے اور اس کی یہی ایک صورت ہے کہ جس طرح عربوں کی زبان ایک ہے اسی طرح ان کا وطن اور ان کے عقائد بھی مکمل طور پر ایک ہو جائیں لیکن یہودی اور عیسائی ابھی جزیرہ نمائے عرب میں موجود تھے تو کیا کتاب اور سنت سے اختلاف کیے بغیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں وہاں سے نکال سکتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ فرمایا لیکن وہ عہد شکنی کر کے غداری پر اُتر آئے اور مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جزیرہ نمائے عرب کی اکثر یہودی بستیوں سے جلاوطن فرما دیا۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں کا اپنی آبادیوں میں رہنا کوئی ایسا حق نہ تھا جس کا احترام ضروری ہوتا اور ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ صرف ایک سیاسی قدم تھا جو مدینہ کے ابتدائی دور میں حکومت کی کسی مصلحت کے پیش نظر اُٹھایا گیا تھا لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ حکومت کی اعلیٰ مصلحت اسے درست نہیں سمجھتی تو اسے چھوڑ کر دوسرا طریق عمل اختیار کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں حکومت کی اسی اعلیٰ مصلحت کا تقاضا تھا کہ تمام جزیرہ نمائے عرب میں صرف ایک عقیدہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت کا آغاز ہی اس سے کیا کہ نجران کے عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا۔ لیلیٰ بن اُمیہ کو ان کا حکم تھا کہ عیسائیوں پر دین کے معاملے میں زبردستی نہ کی جائے لیکن جو عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہے اُسے نکال دیا جائے اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا جائے۔ یہی کچھ ان یہودیوں کے ساتھ کیا گیا جو خیبر اور فدک

میں باقی رہ گئے تھے' انہیں وہاں سے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا' ان کی زمینوں کی قیمت انہیں دے دی گئی اور ان میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی نہ کی گئی اس طرح جزیرۃ العرب اسلام کے سوا ہر عقیدے سے خالی ہو گیا اور اس وحدت کی بنیادیں وہاں استوار ہو گئیں جو امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطمع نظر تھی۔" (صفحہ نمبر ۵۳۷)

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ مدینہ کے یہود من حیث القوم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایمان سے بہرہ ور نہ ہوئے بلکہ اس وقت بھی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جزیرہ نمائے عرب سے نکل جانے کا حکم دیا' انہوں نے ایمان پر مہاجرت کو ترجیح دی پھر بھی مولانا عثمانی صاحب یا کوئی اور (خواہ وہ کسی بھی علمی مرتبہ کا ہو) یہ کہے کہ مدینہ کے یہود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے تو میں کیا عرض کر سکتا ہوں سوائے اس کے کہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

آنحضرت صلعم کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئی؟

یہ ضمنی عنوان جناب عثمانی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۶ پر دیا ہے اور عنوان سے ظاہر ہے کہ عثمانی صاحب نے یہ فرض کر لیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد ہوئی کیونکہ عثمانی صاحب کے خیال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ممکن ہی نہیں تھی' وہ لکھتے ہیں:

"حرف آخر کے طور پر سورۃ الصف کی آیت نمبر ۶ پر بھی نظر ڈال لیجیے جس میں ارشاد ہو رہا ہے "واذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التورٰۃ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" اور جب کہا عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام نے کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا رسول آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو (توراۃ) آ چکی ہے' میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں'

جن کا نام احمد ہوگا' میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔'' اس آیت میں ''یاتی من بعدی'' اس امر پر دلیل قطعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئی اور اگر وہ ابھی تک آسمان پر بقیدِ حیات موجود ہیں تو ''یاتی من بعدی'' ''جو میرے بعد آئیں گے'' کا بیان بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ شروع ہی نہیں ہوا اور بلحاظ عربیت حدیث ''لانبی بعدی'' میں لفظ ''بعدی'' کا جو مطلب ہے ''یاتی من بعدی'' میں بھی اس لفظ کا وہی مطلب ہونا چاہیے اور اگر یہ مطلب لیا جائے کہ ''من بعدی'' سے مراد ''رفع الی السماء'' کا زمانہ ہے تو زمین پر دوبارہ تشریف آوری اور موجودگی کے وقت جب وہ خود اور تمام مسلمان اس فقرہ کی تلاوت کریں گے تو کیا اس وقت یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات کے بعد بھی کوئی پیغمبر آنے والے ہیں جن کا نام ''احمد'' ہوگا؟''

مولانا عثمانی صاحب اپنے اس نقطہ نظر میں تنہا نہیں ہیں' اس مسئلہ میں مرزا غلام احمد بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ وہ بھی ''میرے بعد'' سے مراد ''میری موت کے بعد'' لیتے ہیں۔ اس آیہ مبارکہ کا سادہ ترجمہ یہ ہے:

''جب کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے تورات (آچکی) ہے۔ میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا' میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ (الصف نمبر ۶' ترجمہ مولانا تھانوی)

یہ تو ایک حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد ہوئی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہی ہوگی (چونکہ قرآن بیان کررہا ہے) کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت بھی دی

ہوگی اس آیہ مبارکہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ ''موت'' کیا جا سکے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا ہوتا کہ میری موت کے بعد ایک رسول آنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یہاں ''موت'' کا لفظ استعمال کرنے سے کون روک سکتا تھا اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا ہی یہ ہو کہ میری بعثت کے بعد ایک رسول مبعوث ہونے والے ہیں اور میں اپنی قوم کو ان کی آمد کی اطلاع دے رہا ہوں اور ان کا نام نامی اسمِ گرامی بتا رہا ہوں اگر ایسا ہے تو قرآن نے ان کے بیان کو صحیح درج (Quote) کیا ہے۔ دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خبر تو یہ دی ہو کہ میری موت کے بعد ایک رسول آنے والے ہیں لیکن قرآنِ کریم نے ان کے الفاظ کو صحیح رپورٹ نہ کیا ہو۔ ان دو میں سے کونسی صورت ممکن ہے اس کا فیصلہ خود کر لیں البتہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ اس میں اُلجھن کیا ہے؟ اگر کسی وقت عثمانی صاحب اپنے اہلِ خانہ کو یہ کہہ کر رخصت ہوں ''میرے بعد ایک صاحب آئیں گے اور کوئی پیغام دیں گے'' اور ان کی غیر حاضری میں وہ صاحب آئیں اور پیغام دے کر چلے جائیں تو مولانا صاحب کو واپس آنے کے بعد کیا اُلجھن ہوگی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قوم کو یہ کہہ کر چلے گئے کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دین مکمل کریں گے۔ نسلِ انسانی پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کریں گے۔'' ان کی غیر حاضری میں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث بھی ہوئے اور کارِ رسالت انجام دے کر رخصت بھی ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واپسی کے بعد یہی تو معلوم ہوگا کہ جس طرح انہوں نے خبر دی تھی' بالکل اسی طرح ہو چکا ہے۔ وہ ایک دفعہ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو اس میں کوئی اُلجھن نہیں ہوگی۔ معلوم نہیں عثمانی صاحب کو اس میں کیا اشکال نظر آتا ہے' عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> ''وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے' وہ بقیدِ حیات ہوں گے اور دجال جیسے فتنوں کا مقابلہ اور ان کا استیصال فرما رہے ہوں گے۔ اس وقت قرآنِ کریم کے اس جملے ''بل رفعہ اللہ الیہ'' کا کیا مطلب لیا جائے گا؟ کیونکہ قرآن تو کہہ رہا ہوگا ''اللہ نے انہیں اپنی طرف آسمان پر اُٹھا لیا ہے'' مگر وہ بنفسِ نفیس اور بقیدِ حیات لوگوں کے درمیان موجود ہوں

گے۔" (صفحہ نمبر ۳۸)

میں تو اس پر صرف یہی عرض کر سکتا ہوں کہ ناطقہ سر بگریباں ہے' اسے کیا کہیے قرآنِ کریم میں سورۂ روم کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"ال م۔ اہلِ روم ایک قریب کے موقع پر مغلوب ہو گئے اور اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال تک کے اندر اندر غالب آ جائیں گے۔" (سورۂ روم نمبر ۲ تا ۴' ترجمہ مولانا تھانوی)

اب تو دنیا میں روم نام کا کوئی ملک بھی باقی نہیں ہے لیکن قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کرتے ہوئے کوئی اُلجھن محسوس نہیں ہوتی حالانکہ ان آیاتِ مبارکہ میں جو خبر ہے' اس میں زمانہ مستقبل کا ذکر ہے جبکہ حقیقت میں وہ اب ماضی بعید بن چکا ہے! اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس آیہ مبارکہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہم نے اسے اُٹھا لیا" لیکن وہ ایک وقت میں دوبارہ لوگوں کے درمیان موجود ہوں گے تو ایک وقت میں دوبارہ اس دنیا سے بوجہ موت رخصت بھی ہو چکے ہوں گے لیکن اس کے باوجود قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کرتے ہوئے کوئی اُلجھن نہیں ہو گی۔

سورۂ نساء کی ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے تیسرے سال یروشلم میں پیش آئے' وہ واقعات یہ ہیں:

1- حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن ان کو صلیب دیئے جانے کا حکم حاصل کر چکے ہیں۔

2- حضرت مسیح علیہ السلام نہ صلیب دیئے گئے۔

3- حضرت مسیح علیہ السلام کسی اور طریقے سے بھی قتل نہ کیے گئے۔

4- اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے دشمنوں کی گرفت میں نہ آنے دیا۔

5- اور وہاں سے معجزانہ طور پر اُٹھا لیا۔

مندرجہ بالا واقعات میں کونسا واقعہ ایسا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے واپس آ جانے کے نتیجہ میں غلط ثابت ہو جائے گا اور کس بات کو "منسوخ الحکم" کرنا پڑے گا کیونکہ ان آیات میں تو کوئی حکم بیان ہی نہیں ہوا۔

مولانا عثمانی صاحب نے حدیث "لانبی بعدی" سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

موت پر استدلال کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ سورۂ صف کی آیت میں "مـن بـعـدی" کا بھی وہی مطلب لیا جانا چاہیے جو "لانبی بعدی" کا ہے۔

میری رائے میں حدیث "لانبی بعدی" عثمانی صاحب کے مؤقف کی ہرگز تائید نہیں کرتی' اس حدیث کا سادہ ترجمہ یہ ہے:

''میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں''

اس حدیث سے یہ مفہوم ہرگز نہیں نکلتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں تو کوئی دوسرا نبی ہوسکتا تھا لیکن ان کی موت کے بعد کوئی نبی نہیں۔کیا عثمانی صاحب اس امکان کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی دوسرا شخص بطورِ نبی مبعوث ہو سکتا تھا؟ جس طرح اس حدیث کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ:

''میری بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں''

اسی طرح سورۂ صف کی مذکورہ آیت میں "مـن بـعـدی" کا مطلب بھی 'میری بعثت کے بعد' ہے نہ کہ 'میری موت کے بعد'

دوسرا اشکال مولانا عثمانی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اسی طرح حق تعالیٰ تو سورۂ آل عمران آیت نمبر ۵۵ میں فرما رہے ہیں کہ 'میں تمہارے متبعین کو گروہِ منکرین پر روزِ قیامت تک غلبہ عطا کرنے والا ہوں' مگر ہماری تفسیری تعبیرات و روایات یہ ثابت کر رہی ہیں کہ تمام اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قیامت سے قبل ہی ایمان لے آئیں گے تو قرآن کے مذکورہ بیان کا تقاضا تو یہ ہوگا کہ وہ منکرین (یہودیوں) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین (نصاریٰ) کے مابین تا قیامِ قیامت تصادم و آویزش کا سلسلہ جاری رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے اپنے دشمنوں پر وقوعِ قیامت تک غالب رہیں مگر ہم قرآنی فرمودات کے علی الرغم یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ تمام اہلِ کتاب حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے اور یہ سب کچھ قیامت سے بہت پہلے ہو جائے گا تو اندریں صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے یہودیوں پر قیامت

تک غالب رہنے کی کیا شکل ہوگی؟ جبکہ یہ دونوں گروہ ایمان لانے کے بعد ملتِ واحدہ بن چکے ہوں گے تو گروہ غالب کون ہوگا اور مغلوب کسے کہا جائے گا؟" (صفحہ ۴۰-۳۹)

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ہماری تفسیری روایات کیا کہتی ہیں البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین (یونی ٹرین عیسائی اور مسلمان) اور دشمنانِ حضرت مسیح علیہ السلام (یہود اور تثلیث پرست) کے درمیان ابتدا ہی سے آویزش جاری ہے اور متبعین مسیح علیہ السلام کو جو فوقیت (سیاسی غلبہ نہیں سیاسی غلبہ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کے بعد شروع ہوگا) حاصل ہے' وہ سردست دلیل کے میدان میں ہے اور یہ آویزش قیامِ قیامت تک جاری رہے گی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے موقع پر سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ کے مطابق تمام اہلِ کتاب (یہود اور تثلیث پرست دونوں) ان پر ایمان لے آئیں گے تو یہ قیامت کے قریب ہی ہوگا کیونکہ (قرب) قیامت کی ایک نشانی تو حضرت مسیح علیہ السلام ذاتِ گرامی خود ہے لیکن فوقیت کو سردست سیاسی غلبہ قرار دینا واقعاتی طور پر درست نہیں ہے۔

تیسرا اشکال عثمانی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں:

"پھر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی' قرآن کھلے بندوں یہ اعلان کر رہا ہے کہ "والقینا بینهم العداوة والبغضاء الی یوم القیمته" اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک دشمنی اور بغض ڈال دیا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام اہلِ کتاب کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد روزِ قیامت تک ان کے مابین بغض وعداوت کی آخری کیا شکل ہوگی۔ قرآن کو تو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اس کی صداقت وحقانیت پر ہمارے دین وایمان کی بنیاد قائم ہے البتہ ہم آیاتِ قرآنی کی ان تعبیرات یا ایسی روایات ہی کو غلط قرار دے سکتے ہیں جو قرآنی تصریحات کے سراسر منافی ہیں۔" (صفحہ نمبر ۴۰)

عثمانی صاحب نے آیت کا یہ ٹکڑا سورۂ المائدہ کی آیت نمبر ۶۴ سے لیا ہے' پوری آیہ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے' ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دُور کر دیئے گئے بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جس طرح چاہتے ہیں' خرچ کرتے ہیں اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے' وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا ہے جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں' حق تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے۔'' (سورۃ المائدہ نمبر ۶۴' ترجمہ مولانا تھانوی)

میرے نزدیک تو اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان کیا ہے کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کرتی ہے' اس قوم میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیگر بیماریوں کے علاوہ بغض و عداوت بھی پیدا ہو جاتا ہے اس آیہ مبارکہ میں اگرچہ ذکر یہود کا ہے لیکن قانون عمومی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہود کے علاوہ دوسری اقوام کو کھلی چھٹی ہے جو چاہیں کریں۔ اس وقت مسلمانوں میں جو بغض و عداوت ہے' وہ بھی اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی وجہ سے ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں عراق ایران جنگ ہوئی اس کے بعد کویت کے مسئلہ پر بھی مسلمان ممالک آپس میں لڑتے رہے ہیں اب افغانستان میں خانہ جنگی جاری ہے (یہ سطور ۱۹۹۰ء کی دہائی کی ابتدا میں لکھی گئی تھیں) تو ان تمام جھگڑوں کا واحد سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی من حیث القوم اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کر لی ہے اور میرے نزدیک اس آیہ مبارکہ کی صحیح تشریح یہی ہے۔ **واللہ واعلم بالصواب**

میں نے جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کے رسالہ ''عقیدہ ختم نبوت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام) کے پہلے ایڈیشن میں دیئے گئے تمام دلائل کا جائزہ لے لیا ہے۔ اس دوران میں ان کے رسالہ کا دوسرا ایڈیشن بھی مجھے مل گیا ہے۔ میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس کا جائزہ بھی ساتھ ہی لے لیا جائے۔

دوسرے ایڈیشن میں جناب قمر احمد عثمانی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے' اس کا خلاصہ یہ

ہے کہ:

1- نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو احادیث ہیں' وہ ظنی ہیں اور عقیدہ کی بنیاد ظن پر نہیں رکھی جا سکتی۔

2- نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی عقیدہ نہیں ہے' اس ضمن میں جناب عثمانی صاحب نے اجماع کی تعریف پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

3- جو شخص نزولِ مسیح علیہ السلام کا قائل نہ ہو' وہ کافر یا دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

ان گزارشات کے بعد میں اصل مضمون کی طرف واپس آتا ہوں۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں ایک بے علم انسان ہوں اور احادیث کے بارے میں کلام کرنا میرے لیے سزاوار ہی نہیں' کسی بھی حدیث کا مقام طے کرنا علماء حدیث کا کام ہے۔ احادیث ضعیف بھی ہیں' موضوع بھی ہیں' صحیح بھی ہیں اس مضمون پر ہماری تاریخ میں بہت کام ہوا ہے۔ میرے جیسے انسان کے لیے لازم ہے' وہ اس مسئلہ میں علماء حدیث کی رائے کو قبول کرے۔

مجھے اس سے بھی غرض نہیں کہ نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی عقیدہ ہے یا نہیں۔ میں نے جو رائے قائم کی ہے اور جسے میں نے ان صفحات میں بیان کیا ہے' اس کی بنیاد بھی نزولِ مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کا اجماعی ہونا یا نہ ہونا نہیں ہے۔ مجھے جو بات قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہوئے درست معلوم ہوئی ہے' اسے میں نے بیان کر دیا ہے۔ میں نے تو کسی تفسیر کا مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ میں نے تو نزولِ مسیح علیہ السلام کو قرآنِ کریم کی بعض آیات سے Infer کیا ہے اگر کوئی دوسرا شخص انہی آیات سے کوئی دوسرا Inference نکالتا ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ علماء کرام اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں البتہ میرے نزدیک جو شخص نزولِ مسیح علیہ السلام کا قائل نہ ہو' وہ بھی اسی طرح مسلمان ہے جس طرح وہ شخص مسلمان ہے جو نزولِ مسیح علیہ السلام کا قائل ہے کیونکہ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ عقیدہ کا مسئلہ تو صرف یہی ہے کہ ایک مسلمان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اللہ تعالیٰ کا رسول برحق تسلیم کرے اور ان کی معجزانہ (بن باپ کے) پیدائش کو تسلیم کرے اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کو پاک دامن اور تمام عالم کی عورتوں سے افضل تسلیم کرے اس مسئلہ

میں ایمان کی حدود یہی ہیں۔ آگے مسئلہ Inference کا ہے۔

ایک قادیانی دلیل

اب تک میں نے ان تمام دلائل کا جائزہ لیا ہے جو مولانا قمر احمد عثمانی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی موت ثابت کرنے کے لیے اپنے رسالہ میں پیش کیے ہیں۔ اس ضمن میں ایک دلیل اگرچہ جناب عثمانی صاحب نے درج نہیں کی ہے لیکن قادیانی حضرات اسے پوری شدت سے پیش کرتے ہیں۔ قادیانی اُمت سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے حق میں استدلال پیش کرتی ہے اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> ''اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صرف رسول ہی تو ہیں' آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص بھی اُلٹا پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔'' (سورۂ آل عمران نمبر ۱۴۴' ترجمہ مولانا تھانوی)

قادیانی حضرات اس آیہ مبارکہ کے الفاظ ''گزر چکے ہیں'' سے مراد لیتے ہیں ''مر چکے ہیں'' اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے موقع پر صحابہ کرام رضوان علیہم السلام کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی موت وارد ہو سکتی ہے تو اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کے سامنے اسی آیہ مبارکہ کی تلاوت کی تھی تو ان کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کا یقین آ گیا تھا اور اس واقعہ سے قادیانی حضرات یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کا یہ اجماع تھا کہ تمام انبیائے علیہم السلام سابقہ پر موت وارد ہو چکی ہے اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں ''گزر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس جگہ ''مر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کر سکتا تھا۔ اس صورت میں کوئی اُلجھن باقی نہ

رہتی۔ چنانچہ قادیانی اُمت کو حسبِ عادت اس جگہ بھی معنوی تحریف کرنا پڑی۔ میں قادیانی اُمت کے سامنے اپنا ایک بیان ذیل میں درج کرتا ہوں جس میں ''گزر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ میں ان کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ میرے بیان میں ''گزر چکے ہیں'' کی جگہ ''مر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کر کے دکھائیں:

''بل کلنٹن امریکہ کے صدر ہی تو ہیں۔ بل کلنٹن سے پہلے بھی بہت سے صدر گزر چکے ہیں۔ سو اگر بل کلنٹن مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا وہ قانون منسوخ ہو جائیں گے جن پر بل کلنٹن نے دستخط کیے ہیں۔''

جب یہ سطور لکھی گئی تھیں تو اس وقت بل کلنٹن امریکی صدر تھے اور سابقہ صدور میں سے جانسن، ریگن، فورڈ اور نکسن زندہ موجود تھے اگر کسی قادیانی میں ہمت ہے تو آگے بڑھے اور ''گزر چکے ہیں'' کی جگہ ''مر چکے ہیں'' کے الفاظ تبدیل کر کے دکھائے۔ پس معلوم ہوا کہ ''گزر چکے ہیں'' کا مطلب ''مر چکے ہیں'' نہیں ہوتا۔ رہ گیا یہ مسئلہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں اجماع ہو گیا تھا تو میں قادیانی اُمت کو ایک دفعہ پھر چیلنج کرتا ہوں کہ وہ صرف یہ بات ثابت کر دیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کی اس مجلس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ہوا تھا، اجماع تو دُور کی بات ہے۔

مناسب ہوگا اگر اس موقع پر قرآنِ کریم کی دیگر آیات بھی دیکھ لی جائیں جن سے قادیانی حضرات جناب عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ کے علاوہ قادیانی اُمت سورۂ نحل کی آیات نمبر ۲۰-۲۱ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اخذ (Infer) کرتی ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں وہ (معبودین) مردے (بے جان) ہیں، زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔'' (ترجمہ مولانا تھانوی)

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ معبود جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مشرکین پوجا کرتے ہیں، وہ تو خود بے جان ہیں، وہ اپنی پوجا کیے جانے کی نہ تو خبر رکھتے ہیں اور نہ وہ کسی بات کا جواب دے سکتے ہیں۔ ان کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ ان کو کب اُٹھایا جائے گا جبکہ مشرکین

ان کی قبروں پر جا کر مرادیں مانگتے ہیں۔

قادیانی حضرات ان معبودین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کرتے ہیں کیونکہ عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا قرار دیتے ہیں۔

بلاشبہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں بلکہ وہ تو روح القدس کو بھی خدائی میں شریک یقین کرتے ہیں اگر اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو خطاب کیا ہوتا تو یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان معبودین میں شامل ہوتے جن کو اللہ تعالیٰ نے مردہ قرار دیا ہے لیکن اس آیہ مبارکہ میں تو خطاب مشرکین مکہ سے ہے اس لیے کہ سورۂ نحل مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مکہ میں نصاریٰ کا وجود نہیں۔ علاوہ ازیں سورۂ نحل میں نصاریٰ کا ذکر تک نہیں اور اس لیے ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (جو عالم الغیب ہے) کو معلوم تھا کہ مرزا قادیانی کی اُمت اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرے گی اس لیے اس نے سورۂ نحل میں نصاریٰ کے ذکر تک حذف کر دیا پھر کس قرینہ کی رو سے اس آیہ مبارکہ میں جن معبودین کا ذکر ہے ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا جائے اگر قادیانی اُمت یہ کہے کہ اس آیہ مبارکہ میں خطاب عمومی ہے اس لیے ان معبودین میں جن کو اللہ تعالیٰ مردہ قرار دے رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا جائے تو یہ اس لیے درست نہیں کہ سورۂ نحل کی آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ یکایک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔"

(ترجمہ مولانا تھانوی)

اس آیت میں بھی خطاب عمومی ہے لیکن ہمارا ایمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نطفے سے پیدا نہیں کیے گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی استثنا بھی بیان نہیں کیا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی عقل دی ہے کہ ہم خود ہی نہ تو حضرت آدم علیہ السلام کو اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ انسان سمجھتے ہیں جن کا ذکر اس آیہ مبارکہ میں ہے۔ اس آیہ مبارکہ سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ نہیں کرتے کہ ہر انسان ہر وقت جھگڑتا ہی رہتا ہے۔ بلاشبہ عام طور پر انسان جھگڑالو ہے لیکن ہم از خود ہی انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر بزرگانِ دین کو اس سے مستثناء کر دیتے ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ اصول ہے جسے مرزا غلام احمد کی تائید بھی حاصل ہے کہ استثنا

سے اصول باطل نہیں ہوتا اور محض اس بناء پر کہ ان آیات میں خطاب عمومی ہے' ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

قادیانی اُمت سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۳۴ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرتی ہے۔

''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لیے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے۔''
(ترجمہ مولانا تھانوی)

اس آیہ مبارکہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر دو وجوہ کی بناء پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کا بھی عقیدہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں ہمیشہ رہیں گے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اس زمین پر واپس آ کر اسی طرح موت کا ذائقہ چکھیں گے جس طرح ہر ذی نفس موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں بھی ایک اصول ہی بیان ہوا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں استثنا کوئی نہیں ہوگا۔

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۲۵ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا جاتا ہے:

''فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر نکلنا ہے۔'' (ترجمہ مولانا تھانوی)

یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس وقت ارشاد فرمائے تھے جب انہیں جنت سے نکال کر زمین پر آباد ہونے کے لیے بھیجا جا رہا تھا اس آیہ مبارکہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اُمتِ مسلمہ اس بات کی قائل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی زمین پر موت سے ہمکنار ہوں گے اور اسی زمین میں دفن بھی ہوں گے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ مدت کے لیے زمین سے کسی دوسری جگہ نہیں جا سکتے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج پر جا چکے ہیں اور انسان کچھ مدت کے لیے چاند پر بھی جا چکا ہے اور مدت ایک اضافی (Relative) چیز ہے۔ ہمارے لیے دو ہزار یا چار ہزار سال بہت لمبی مدت ہے لیکن خالقِ کائنات کے لیے نہیں۔

سورۃ المائدہ کی آیات نمبر ۷۵ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا جاتا ہے‘ اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے:

”مسیح علیہ السلام ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے رسول اور بھی گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں‘ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیے تو ہم کیونکر دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ اُلٹے کدھر جا رہے ہیں۔“ (ترجمہ مولانا تھانوی)

اس آیہ مبارکہ سے قادیانی حضرات استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ کھانا کھایا کرتے تھے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں تو لازم ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتے ہوں گے اور کھانا کھاتے ہوں گے تو حوائج ضروریہ بھی ان کو لاحق ہوتے ہوں گے۔ ایسی صورت میں آسمانوں پر وہ حوائج ضروریہ سے کس طرح فارغ ہوتے ہوں گے۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ دوسرے انسانوں کی طرح ہی کھانا کھایا کرتے تھے لیکن اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ وہ انسان تھے‘ خدا نہیں تھے۔ اس آیہ مبارکہ میں خطاب نصاریٰ سے ہے کہ وہ غور کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا اس کے بیٹے کس طرح ہوسکتے ہیں کیونکہ خدا کو تو کھانے کی حاجت نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر وقت کھانا ہی کھاتے رہتے تھے۔ ہر کھانے کے بعد انسان وقفہ کرتا ہے‘ وہ وقفہ زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ انسان تو انسان ہے جو نائب خدا ہے بعض جانور بھی ایسے ہوتے ہیں جو سردیوں کا پورا موسم جو نصف سال سے بھی زائد ہوتا ہے‘ بغیر کچھ کھائے پیئے گزار دیتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ حوالہ کے لیے دیکھ لیجیے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد پنجم صفحہ نمبر ۹۰۹ ایسے جانور اپنی پناہ گاہوں میں پورا موسم سو کر گزارتے ہیں‘ مچھلی کی ایک قسم بھی ایسے جانوروں میں شامل ہے۔

اصحابِ کہف ۳۰۹ سال بغیر کھائے پیئے سوئے رہے اگر اصحابِ کہف ۳۰۹ سال اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر کھائے پیئے گزار سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ کس طرح ناممکن ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود تین یا چار ہزار سال بغیر کھائے نہیں گزار سکتے۔ زندگی کھانے کی محتاج نہیں‘ زندگی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

چالیس دن کا روزہ رکھا تھا اور اس کے بعد یہ بات کہی تھی کہ انسان صرف روٹی سے زندہ نہیں رہتا اس کا ذکر بائبل میں اس طرح ہے:

''پھر یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یرون سے لوٹا اور چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیاباں میں پھرتا رہا اور ان دنوں میں اس نے کچھ نہ کھایا اور جب دن پورے ہو گئے تو اسے بھوک لگی ابلیس نے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اس پتھر سے کہہ روٹی بن جائے۔ یسوع نے اس کو جواب دیا' لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی سے جیتا نہ رہے گا۔'' (لوقا باب نمبر ۴ فقرہ نمبر ۱ تا نمبر ۵)

حقیقت یہ ہے کہ زندگی روٹی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے قائم ہے اگر اللہ کا حکم ہے جیسا کہ ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال بغیر کھائے زندہ رہ سکتے ہیں اگر روٹی سے ہی زندگی قائم ہو تو ایسے شخص کو کبھی موت نہ آئے جو ہر وقت کھاتا رہتا ہو۔

اگر چہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ زندگی روٹی کی محتاج نہیں بلکہ اپنے رب کے حکم سے قائم ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس بات کو خارج از امکان نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رزق ملتا ہو اور وہ کھاتے بھی ہوں اور حوائج ضروریہ پھر بھی لاحق نہ ہوتے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کے لیے ایسی خوراک کا انتظام کر دے جسے کھانے کے نتیجے میں حوائج ضروریہ لاحق نہ ہوتے ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کے بعد جنت میں رہنے کا حکم دیا تو کہا کھاؤ پیو مگر ایک مخصوص درخت کا پھل نہ کھانا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رزق کھاتے رہے اور ان کو بیت الخلاء کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے:

''اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم علیہ السلام تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو اور پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ۔ کبھی ان لوگوں کے شمار میں آ جاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتے ہیں۔'' (الاعراف نمبر ۱۹' ترجمہ مولانا تھانوی)

اللہ تعالیٰ شہداء کو بھی رزق دیتا ہے لیکن ان کو بھی بیت الخلاء کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

''اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے' ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں' اپنے پروردگار کے مقرب ہیں' ان کو رزق ملتا ہے۔'' (آل عمران نمبر ۱۶۹' ترجمہ مولانا تھانوی)

حشر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا' ان کو وہاں ہر طرح کا رزق میسر ہوگا' انواعِ اقسام کے پھل ہوں گے' دودھ ہوگا' شہد ہوگا۔ اللہ کے بندے یہ سب کچھ کھائیں گے لیکن انہیں حوائج ضروریہ پھر بھی لاحق نہیں ہوں گے اسی طرح یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر رزق بھی دیتا ہو اور ان کو حوائج ضروریہ پھر بھی لاحق نہ ہوتے ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کا رزق اس وقت تک ملتا رہے جب تک وہ وہاں ہیں اور جب واپس زمین پر آجائیں تو پھر عام انسانوں کی طرح ان کی حالت ہو جائے۔

قادیانی اُمت سورۂ مریم کی آیت نمبر ۳۱ کے ایک حصہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرتی ہے' اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔''

(ترجمہ مولانا تھانوی)

اس آیہ مبارکہ سے قادیانی حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی میں نماز پڑھا کرتے تھے اور زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے اگر وہ آسمان پر زندہ ہیں تو لازم ہے کہ ان کے پاس سرمایہ بھی ہوتا کہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے حاجت مند بھی ہونے چاہئیں۔ چونکہ یہ ممکن نہیں اس لیے لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہمکنار ہو چکے ہوں۔

سورۂ مریم کی جس آیت کا ترجمہ میں نے اوپر دیا ہے' یہ اس تقریر کا حصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں اپنی والدہ کی پاک دامنی ثابت کرنے کے لیے کی تھی۔ میں اس آیہ مبارکہ سے قبل ازیں استدلال کر چکا ہوں' اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں رکوع سجود شروع کر دیا تھا اور مال تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا؟ اگر نہیں تو کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سے گریز کیا تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو گہوارے میں رکوع سجود کیا اور نہ ہی زکوٰۃ کسی مسکین کو ادا کی۔ اسی طرح وہ جب تک زمین پر

واپس نہیں آتے، ادائیگی زکوۃ کا حکم ان کے لیے اسی طرح معطل رہے گا جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کے لیے مچھلی کے پیٹ میں معطل تھا اور واپسی کے بعد بھی اسی وقت تک معطل ہی رہے گا جب تک کہ ان کو کسی طرف سے کوئی مال وصول نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قادیانی اُمت کو قرآنِ کریم کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

حیاتِ مسیح علیہ السلام کے بارہ میں احادیث

جناب قمر احمد عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں علامہ تمنا عمادی کی کتاب "انتظار مسیح و مہدی" سے وہ تنقید نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں احادیث پر کی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ احادیث کے بارے میں کلام کرنے کی اہلیت مجھ میں نہیں ہے۔ مولانا تمنا عمادی کی تنقید کا جواب دینا علماء حدیث کا کام ہے، ان میں سے کوئی اس مضمون کی اہمیت محسوس کرے تو اس کا جواب دے البتہ ایک عام آدمی Layman کی حیثیت سے جو میں محسوس کرتا ہوں، اسے بیان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

دین کے ماخذ

ہمارے دین کے بنیادی ماخذ قرآن اور سنت ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی تک اپنے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچایا۔ سنت نام ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل کا جس کا کچھ حصہ ہم تک تواتر سے پہنچا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوالِ مبارکہ یا آپ کے عمل کو مسلمانوں نے کتب احادیث میں محفوظ کرنے کے لیے جو محنت کی ہے، وہ اس موضوع پر بھی لکھی گئی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فردِ واحد) کے اقوال و افعال کو محفوظ کرنے کے لیے تقریباً پانچ لاکھ اشخاص کے حالات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ یہ تمام محنت صرف اس لیے کی گئی ہے کہ دین تو نام ہی "محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کے اتباع کا ہے۔ قرآن کو بھی ہم اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی اطلاع دی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوالِ مبارکہ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک حصہ تو احکام کا ہے یعنی اوامر و نواہی' یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ دوسرا حصہ جو ہے اسے ہم اخبار کہہ سکتے ہیں' اخبار کا تعلق ماضی سے بھی' ہے اور مستقبل سے بھی۔ اُمم سابقہ کے بارے میں جو خبریں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہیں' ان کا تعلق ماضی سے ہے۔ آنے والے واقعات کے بارے میں جو خبریں انہوں نے دی ہیں' ان کا تعلق مستقبل سے ہے اور اس میں وہ خبریں بھی شامل ہیں جن کا تعلق یوم حشر اور اس کے بعد سے ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام نے انتہائی دیانت داری سے اللہ تعالیٰ کے دین (کتاب و سنت) کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کر کے اُمت کو منتقل کیا ہے اب جس شخص کو بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کی دیانت و امانت پر اعتماد نہیں ہوگا اس کے لیے نہ تو قرآن قابلِ اعتماد ہے اور نہ ہی سنت کیونکہ دونوں ماخذ اُمت کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کے واسطہ سے حاصل ہوئے ہیں اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کا قابلِ اعتماد ہونا (Credibility) مجروح ہو جائے تو دین مجروح ہو گیا اور دشمنانِ اسلام نے عدالتِ صحابہ کو ہی نشانہ بنایا۔

احادیث کیوں وضع کی گئیں

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں دشمنانِ اسلام بالخصوص یہود اس بات سے تو مایوس ہو گئے کہ اسلام کو کھلے میدان میں شکست دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے طریقہ واردات تبدیل کر کے اندر سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جو مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے دشمنانِ اسلام نے عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کی عدالت کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کے گروہ نے احادیث وضع کر کے پھیلانا شروع کر دیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام کا ایمان ہی مشکوک تھا اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد وہ سب (سوائے تین یا چار کے) مرتد ہو گئے تھے۔ خلافت جو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان بالخصوص ان کے عم زاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھا' انہوں نے غصب کر لیا اور خاندانِ نبوت کے دشمن بن گئے۔ عبداللہ بن سبا کے متبعین نے ہی نظریہ امامت پیش کیا اور امام کے معصوم عن الخطا ہونے کی تبلیغ کی اور اس مقصد کے لیے وسیع پیمانے پر احادیث

وضع کی گئیں اور یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جن کا نہ اللہ پر ایمان تھا اور نہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ چنانچہ جو لوگ ان سے متاثر ہوئے ان کا حال یہ ہو گیا کہ ان کے نزدیک اصل قرآن تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور انہوں نے اسے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قرآن کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا اور اب یہ قرآن ان کے بارہویں امام (امام مہدی) کے پاس سرمن رائے کی غار میں ہے جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کو بھی لے آئیں گے جو قرآن مسلمانوں کے پاس ہے اس کو محرف تسلیم کرنا ان کے لیے ضروریاتِ دین میں سے ہو گیا۔

دوسری صدی ہجری میں عباسیوں نے جب بنو اُمیہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کیں تو ان کے حامیوں کو بھی عباسیوں کے حق میں اور بنو اُمیہ کے خلاف احادیث وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی اور مسلمانوں کو بنو اُمیہ کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ان کو وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا۔

میں یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ تمام موضوع احادیث کا تعلق اخبار سے ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جس کا جواب علامہ تمنا عمادی اور ان کے ہمنواؤں کے ذمہ ہے کہ نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو احادیث ہیں' ان کو کس نے وضع کیا اور کس مقصد کے لیے ان کو استعمال کیا؟ کیا ان احادیث کو سبائیوں نے نظریہ امامت کی تائید میں استعمال کیا؟ جواب نفی میں ہے کیا ان کو عباسیوں نے امویوں کے خلاف استعمال کیا؟ جواب نفی میں ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آغاز میں کتب احادیث کو مرتب کر دیا گیا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۵۴ھ میں ہوا اور وہ اس سے قبل صحیح بخاری مرتب کر چکے تھے۔ دوسری کتب احادیث کی صورت بھی یہی ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل سے لے کر آج تک کتب احادیث ہم تک تواتر سے پہنچی ہیں' کسی کا بھی یہ نقطہ نظر نہیں ہے کہ کتب احادیث مرتب ہونے کے بعد تاریخ کے کسی دور میں ان میں تحریف کی گئی ہے جو احادیث بھی وضع ہوئی ہیں' وہ پہلی دو صدیوں میں ہی وضع کی گئی ہیں اور خاص مقاصد کے حصول کے لیے وضع کی گئی ہیں اور ان سے جو فائدہ اُٹھانا مقصود تھا' وہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اُٹھا لیا گیا تھا۔ نظریہ امامت کو ممکن حد تک پھیلایا جا چکا تھا اور امویوں کا تختہ بھی اُلٹا جا چکا تھا۔

نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں احادیث کو جو شخص بھی موضوع سمجھتا ہے۔ خواہ علامہ تمنا عمادی ہوں یا مولانا قمر احمد عثمانی۔ یہ بتانا ان کا فرض ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ان احادیث کو وضع کر کے کس نے کیا مقصد حاصل کیا۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں یہ احادیث کسی نے اس لیے تو وضع نہیں کی تھیں کہ مرزا غلام احمد ان احادیث کی بنیاد پر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ پہلی اور دوسری صدی میں کسی نے نہ تو مسیح ہونے کا دعویٰ کیا' نہ ہی مثیل مسیح ہونے کا اور نہ ہی ان احادیث سے کسی گروہ نے کوئی سیاسی یا دینوی فائدہ اُٹھایا۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ بغیر کسی Motive کے کسی نے بھی احادیث وضع نہیں کی تھیں چونکہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں احادیث وضع کر کے کسی نے کوئی مقصد حاصل کیا تھا تو ایک عام آدمی (Layman) کی حیثیت سے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ احادیث موضوع نہیں ہیں۔ خواہ تمنا عمادی یا ان کے ہمنوا ان احادیث کے راویوں کو کمزور ہی کیوں نہ ثابت کریں۔ میرے لیے یہ آسان ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا سمجھنے کے بجائے میں مولانا عمادی اور جناب عثمانی صاحب کو غلط سمجھ لوں۔

نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں احادیث کا موضوع ہونا اس صورت میں بھی تسلیم کیا جا سکتا تھا اگر یہ احادیث قرآنِ کریم سے متصادم ہوتیں لیکن ایسا ہے نہیں۔ میں تو حیاتِ مسیح علیہ السلام کو قرآنِ کریم سے ہی Infer کرتا ہوں اس لیے مجبور ہوں کہ ان احادیث کو صحیح تسلیم کر لوں۔

نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں احادیث کو قادیانی حضرات بھی استعمال کرتے ہیں اس لیے قادیانی اُمت سے بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ ذیل میں اس موضوع پر تین احادیث درج کرتا ہوں:

> 1- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' عنقریب ابنِ مریم تم میں اُتریں گے حاکم عادل ہو کر پھر وہ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کرا دیں گے' لڑائی کو موقوف کر دیں گے' مال اس قدر فراواں ہو گا کہ کوئی شخص قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری

نعمتوں سے بہتر ہوگا پھر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو پڑھ لو یہ آیت "ہر ایک اہلِ کتاب مرنے سے پہلے اس پر ایمان لائے گا اور دن قیامت کے وہ ان پر گواہ ہوگا۔" (صحیح بخاری باب نزولِ مسیح علیہ السلام)

2- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں اور تحقیق وہی اُترنے والے ہیں جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا چہرہ سرخی سفیدی لیے ہوگا، دو رنگ دار چادروں کے درمیان ان کا سر (چمک سے) قطرے گراتا معلوم ہوگا اگرچہ اسے پانی نہ ملا ہو پھر وہ اسلام کی حمایت میں قتال کریں گے لوگوں سے۔ پس صلیب کو پاش پاش کر دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے پھر چالیس سال تک زمین میں رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔" (ابوداؤد جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۸)

3- عمر بن عاص کے بیٹے عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم زمین پر اُتریں گے۔ پس نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور ۴۵ سال تک رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور میرے پاس میرے مقبرے میں دفن ہوں گے اور پھر میں اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرے سے اُٹھیں گے۔ ابوبکر اور عمر کے درمیان" (مشکوٰۃ باب نزولِ عیسیٰ علیہ السلام صفحہ نمبر ۴۷۲)

اب قادیانی حضرات یہ فیصلہ کر لیں کہ یہ احادیث صحیح ہیں یا موضوع اگر تو قادیانی اُمت یہ فیصلہ کرلے کہ یہ احادیث صحیح ہیں تو ان میں کسی مثیلِ مسیح کا نہیں عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا ذکر ہے اور وہ نسلِ انسانی میں ایک ہی شخصیت ہیں لہٰذا مثیلِ مسیح کا نظریہ ایک ڈھکوسلہ ہے اور اگر ان کے نزدیک یہ احادیث موضوع ہیں تو قصہ ہی ختم ہوگیا پھر تو نہ کسی مسیح نے آنا ہے اور نہ کسی مثیل مسیح نے آنا ہے۔ قصہ کوتاہ شد ورنہ دردِ سر بسیار بود۔

حرفِ آخر

میں نے گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورِ نبوت ورسالت میں انبیائے سابقین میں سے کسی کا زندہ ہونا یا زندہ ہو جانا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت (Status) کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دورِ نبوت اور رسالت تا قیام قیامت ہے اور اس وجہ سے اب تا قیام قیامت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی پوری نسلِ انسانی کے لیے مطاع ہیں اور انبیائے سابقین میں سے اگر کوئی زندہ ہے (جیسا کہ ہے) تو اس کے لیے بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی مطاع ہیں۔

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کر دے جیسا کہ بہاء اللہ نے ایران میں اور مرزا غلام احمد قادیانی نے برصغیر ہندوستان میں کر دیا ہے تو اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ اس سوال پر غور کرنے سے قبل یہ مناسب ہے کہ نبوت کی تعریف معلوم کر لی جائے۔

نبوت کی تعریف

اگرچہ ہم سب اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ نبوت کیا ہے لیکن اس کو الفاظ میں بیان کرنا اتنا سہل نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی نے ''اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' کے نام سے جو انسائیکلو پیڈیا مرتب کی ہے اس کی جلد نمبر 22 کے صفحہ نمبر 95 پر ''نبوت'' کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

> ''نبوت: مادہ نباء بعض نے ن-ب-ی- بھی تجویز کیا ہے۔ نبوت کے لغوی معنی ہیں ارتفاع' بلندی' رفعت' علو' اونچی شان' بلند منصب کی وجہ سے نبوت کہا گیا۔ نبوت ایک ایسا منصب ہے جو کسبی نہیں یعنی اپنی کوشش یا ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہبی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کی

بخشش و موہبت ہے۔ اللہ تعالیٰ تبلیغ دین اور اپنے احکام و اوامر بندوں تک پہنچانے کے لیے کسی برگزیدہ بندے کو منتخب فرما کر نبوت کے بلند منصب پر فائز کر دیتے ہیں۔ امام راغب کے مطابق نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دینوی اور اخروی فلاح کے لیے سفارت ہے۔ منصبِ نبوت کے ساتھ عام طور پر تین چیزوں کو وابستہ کیا جاتا ہے:

(1) بعض غیبی امور پر من جانب اللہ اطلاع

(2) خوارق کا ظہور یعنی خلاف عادت واقعات کا اظہار

(3) فرشتوں کے ذریعے وحی الٰہی کی آمد یا فرشتوں کو مختلف صورتوں میں دیکھنا یا ان کی آمد و رفت اور موجودگی کو محسوس کرنا۔"

تنقیحات

نبوت کی اس تعریف سے درج ذیل تنقیحات وضع ہوتی ہیں:

(1) نبوت ایک منصب ہے۔

(2) اس منصب پر اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے انعام کے طور پر اپنے جس بندے کو پسند کرتا ہے مبعوث (Appoint) کر دیتا ہے۔

(3) یہ منصب کوشش سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

(4) اس منصب پر جب کوئی بندہ مبعوث ہو جاتا ہے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے احکام اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے یعنی منصبِ نبوت پر فائز شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے اور اسی کے ذریعے اللہ کی رضا معلوم کی جا سکتی ہے۔

منصبِ نبوت کے تقاضے

اب ہم معلوم کرتے ہیں کہ منصبِ نبوت کے منطقی تقاضے کیا ہیں:

(1) منصبِ نبوت پر فائز شخص کو اپنی حیثیت کے بارے میں کبھی شبہ نہیں ہوتا یعنی نبی اپنی نبوت پر سب سے پہلے خود ایمان لاتا ہے اور اس کے بعد دوسروں کو اسی ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس مرزا غلام احمد کے بقول کہ اللہ تعالیٰ انہیں نبی کہتا رہا اور وہ اس سے انکار

کرتے رہے تاآنکہ مرزا صاحب پر بارش کی طرح وحی ہوئی تو انہیں یقین آیا کہ وہ نبی ہیں۔

چنانچہ مرزا صاحب اپنی کتاب حقیقت الوحی کے صفحہ 149 پر لکھتے ہیں:

''اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا ہے اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہوں گے اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے۔''

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزا غلام احمد کو سالہا سال تک سمجھ ہی نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسیح موعود مبعوث کررہا ہے۔ تنگ آکر اللہ تعالیٰ کو بارش کی طرح مرزا صاحب پر وحی نازل کرنا پڑی تب جاکر مرزا صاحب کو یقین آیا۔ دوسرے لفظوں میں جب تک وحی کی بارش نہیں ہوئی مرزا صاحب اپنی نبوت پر ایمان نہیں لائے لیکن یہ بارش کس روز ہوئی؟ کسی قادیانی کو معلوم نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کے مجموعہ الہامات (جو ''تذکرہ'' کے نام سے چھپا ہے) سے معلوم ہوتا ہے۔ مرزا غلام احمد اپنی نبوت پر بارہ سال تک ایمان نہیں لائے اور یہ عرصہ حالتِ کفر میں رہے۔

2- نبی سے قبل از بعثت بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس کی بعد از نبوت اسے ممانعت کا اعلان کرنا ہو ورنہ اس کا اعتبار ہی قائم نہیں ہوگا جبکہ اعتبار اور ساکھ ہی نبوت کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتا ہے۔ مثلاً نبی کی اپنی قوم اور اس کا اپنا خاندان اگر مشرک ہے پھر بھی زندگی کے کسی بھی حصہ میں وہ شرک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجود اس کے ان کی قوم اور خاندان بت پرست تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نوعمری میں بھی بت شکنی ہی کی اور نہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک نبی زندگی کے کسی بھی حصہ میں بت پرستی کی تو مذمت کرے لیکن بت پرست حکمرانوں کی تعریف کرے جیسے مرزا غلام احمد کہ مدعی تو ہیں صلیب توڑنے کے لیکن صلیب پرست حکمرانوں کی زندگی بھر چاپلوسی کرتے رہے اور اس معاملہ میں پیشہ ور قصیدہ گو حضرات کو بھی مات کر

دیا۔ مثلاً مرزا غلام احمد اپنی تالیف ''ستارہ قیصرہ'' میں برطانوی ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کرتے ہیں:

''اے ملکہ معظمہ قیصرہ ہند! خدا تجھے اقبال اور خوشی کے ساتھ عمر میں برکت دے' تیرا عہد کیا ہی مبارک ہے کہ آسمان سے خدا کا ہاتھ تیرے مقاصد کی تائید کر رہا ہے' تیری ہمدردی رعایا اور نیک نیتی کی راہوں کو فرشتے صاف کر رہے ہیں' تیرے عدل کے لطیف بخارات بادلوں کی طرف اُڑ رہے ہیں تاکہ سب ملک رشک بہار بنادیں۔''

''اے قیصرہ و ملکہ معظّمہ! ہمارے دل تیرے لیے دعا کرتے ہوئے جنابِ الٰہی میں جھکتے ہیں اور ہماری روحیں تیرے اقبال اور سلامتی کے لیے حضرت احدیت میں سجدہ کرتی ہیں۔ اے اقبال مند قیصرہ ہند! ہم تیرے وجود کو اس ملک کے لیے خدا کا ایک بڑا فضل سمجھتے ہیں اور ہم ان الفاظ کے نہ ملنے پر شرمندہ ہیں جن سے ہم اس شکر کو پورے طور پر ادا کر سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ تیری آنکھیں مرادوں کے ساتھ ٹھنڈی رکھے اور تیری عمر اور صحت اور سلامتی میں زیادہ سے زیادہ برکت دے اور تیرے اقبال کا سلسلہ ترقیات جاری رکھے اور تیری اولاد اور ذریت کو تیری طرح اقبال کے دن دکھائے اور فتح اور ظفر عطا کرتا رہے۔''

مرزا غلام احمد کا زندگی بھر یہی طرزِ عمل رہا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے انگریزوں (صلیب پرستوں) کی تعریف میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب اس بات کے مدعی تھے کہ وہ صلیب کو توڑنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں لیکن انہوں نے صلیب پرست انگریز حکمرانوں کی اطاعت کو اپنی شرائط بیعت میں شامل کرلیا۔ چنانچہ اپنی کتاب جس کا نام ''کتاب البریہ'' ہے' اس کے صفحہ نمبر 9 پر تحریر کرتے ہیں:

''میں سرکار انگریزی کا بدل و جان خیر خواہ ہوں اور میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعت گورنمنٹ اور ہمدردی بندگانِ خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں داخل

ہے۔ چنانچہ پرچہ شرائط بیعت جو ہمیشہ مریدوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس کی دفعہ چہارم میں ان ہی باتوں کی تصریح ہے۔''

یہ دوُرخا پن مرزا غلام احمد کی ہی خصوصیت ہے کہ دعویٰ صلیب شکنی کا کریں اور ترغیب دیں صلیب پرستوں کی اطاعت کی۔

3- جب کوئی اللہ کا بندہ منصبِ نبوت پر سرفراز ہو جاتا ہے تو اس کا ہر قول وفعل اس پر ایمان لانے والوں کے لیے حجت ہو جاتا ہے۔ انبیاء سابقین میں سے جس کی وہ توثیق کرے اس کا اتباع کرنے والے صرف اسی کو صادق تسلیم کریں گے۔ انبیائے سابقین کی تعلیم میں سے وہ جو چاہے منسوخ کرے جو چاہے باقی رکھے۔ مثلاً ہم مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تسلیم کرتے ہیں اور یونی ٹیرین عیسائی بھی انہیں اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم کرتے ہیں لیکن ایک یونی ٹیرین عیسائی کے ایمان اور ایک مسلمان کے ایمان میں بنیادی فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ مسلمان اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سند پر نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی سند پر اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کی ہوتی تو مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی رسول تسلیم نہ کرتے اور ان کے بارے میں یہود کے ہمنوا ہوتے اب جو شخص بھی مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرتا ہے وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کا قول وفعل ہی معیارِ حق ہے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول وفعل اگر ایک قادیانی قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتا ہے تو مرزا غلام احمد کی سند پر نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سند پر اسی طرح جو شخص بہاء اللہ ایرانی کے دعویٰ رسالت کو تسلیم کرتا ہے وہ بھی اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو اور قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتا ہے تو بہاء اللہ کی سند پر۔ بہاء اللہ کے دعویٰ میں کوئی ابہام نہیں ہے اس کا اعلان ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دور ختم ہو چکا ہے اب بہاء اللہ کا دور ہے اب حق وہ ہے جو بہاء اللہ لائے ہیں نہ کہ وہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لائے تھے اور یہ ایک منطقی بات ہے۔ قطع نظر اس کے کہ بہاء اللہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے یا نہیں جو شخص بھی بہاء اللہ پر ایمان لائے گا' وہ ماقبل کے انبیاء پر ایمان بہاء اللہ کی سند پر ہی لائے گا اگرچہ قادیانی حضرات کا

دعویٰ یہ ہے کہ بہاء اللہ نبوت و رسالت کا مدعی نہیں اس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن وہ اس معاملہ میں غلط بیانی کرتے ہیں جو ان کی مجبوری ہے۔ اور وہ مجبوری یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے کسی جگہ بھی بہاء اللہ کی تکذیب نہیں کی حالانکہ وہ مرزا صاحب کا ہم عصر تھا۔ مرزا غلام احمد کے کذاب ہونے کی یہ ایک ہی دلیل کافی ہے۔ میں بہاء اللہ کی ایک تحریر جو اس نے نپولین ثالث کو لکھی تھی؛ سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں جو قادیانی نقطہ نظر کی تکذیب کے لیے کافی ہے:

> ''کہہ کہ کیا تم لوگ اس پر اعتراض کرتے ہو جو کھلے کھلے نشان اور برہان' حجت اور آیاتِ الٰہی لے کر آیا ہے۔ یہ باتیں اس کے نفس کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ اس خدا کی طرف سے ہیں جس نے اس کو مبعوث کیا' سچائی کے ساتھ بھیجا اور تمام جہانوں کے لیے چراغِ روشن بنایا۔'' (تربیت عالم تالیف چوہدری محمد عبدالرحمٰن صفحہ نمبر 311)

بہاء اللہ کی مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا دعویٰ رسول مبعوث ہونے کا ہے' بہائی حضرات اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ بہائیوں کا پیغام یہ نہیں ہے کہ بہاء اللہ کو خدا تسلیم کرو ورنہ وہ آپ کو جہنم میں داخل کر دے گا۔ ان کی دعوت یہ ہے کہ بہاء اللہ کو اللہ کا رسول تسلیم کرو اور اس کی شریعت پر عمل کرو۔ ہو سکتا ہے کہ بہاء اللہ کی کسی تحریر سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہو کہ بہاء اللہ اور خدا ایک ہیں جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ پیغام بائبل میں مذکور ہے کہ ''وہ اور باپ ایک ہیں'' لیکن اس طرح کی کسی عبارت سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ بہاء اللہ نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ بہائیوں کی دعوت کیا ہے اور ان کا پیغام کیا ہے۔ مرزا غلام احمد نے بھی اس طرح کی عبارتیں لکھی ہیں' مثلاً

> ''میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔''

> ''خدا تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہو گیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہو گیا اور اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی

ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا۔'' (تذکرہ صفحہ 192-193)

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی کہ مرزا غلام احمد نے کشف میں خود کو خدا سمجھا اور زمین و آسمان بھی تخلیق کیے' وہ اس سے آگے نکل گئے۔ قاضی یار محمد ایڈووکیٹ کانگڑہ جو مرزا صاحب پر ایمان لے آیا تھا' اپنی کتاب ''اسلامی قربانی'' کے صفحہ نمبر 13 پر لکھتا ہے:

''جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔''

اس کے باوجود قادیانی حضرات نہ تو یہ دعوت دیتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو خدا تسلیم کرو اور نہ ہی ان کا یہ پیغام ہے کہ مرزا غلام احمد کو خدا کی بیوی تسلیم کرو۔ بالکل اسی طرح بہائی حضرات بھی یہ دعوت نہیں دیتے کہ بہاء اللہ ایرانی کو خدا تسلیم کرو۔ وہ بہاء اللہ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ نہ تو خود کو مسلمان کے طور پر متعارف کرواتے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ ایک منطقی طرزِ عمل ہے جب وہ ایک نئی نبوت پر ایمان لے آئے تو انہوں نے اسلام سے نکل جانے کا اعلان کر دیا اور اپنے مذہب کا نام بھی نیا تجویز کر لیا اب مسلمانوں میں سے جو بھی ان کے مذہب کو قبول کرتا ہے' وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ مسلمانوں کے ہی ایک فرقے سے نکل کر دوسرے فرقے میں داخل ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نیا مذہب اختیار کر رہا ہے جو اسلام سے مختلف ہے۔

غیر منطقی موقف

قادیانی حضرات کو منطقیت سے کوئی واسطہ ہی نہیں' وہ بیک وقت مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بھی تسلیم کرتے ہیں اور خاتم کا مطلب آخری نہیں بلکہ مہر لیتے ہیں یعنی اب نبی صرف وہی ہوگا جس پر نبی

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مہر لگی ہوگی اور مہر کا مطلب اطاعت ہے یعنی مرزا غلام احمد نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر اطاعت کی کہ اس کے نتیجہ میں انہیں نبوت مل گئی۔ لیکن مرزا صاحب نے کس قدر اطاعت کی اس کا جائزہ میں نے ایک اور کتاب ''مرزا غلام احمد قادیانی کے ''کارنامے'' میں لیا ہے قادیانی حضرات جس اُلجھن سے دوچار ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جتنی دفعہ نبی ہونے کا اقرار کیا ہے' اتنی دفعہ ہی انکار بھی کیا ہے۔ مثلاً وہ 2 اکتوبر 1891ء کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں:

> ''گزارش ضروری یہ ہے کہ عاجز مؤلف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جلشانہ سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کی طرز پر کمال مسکینی اور فروتنی وغربت وتذلل وتواضع سے اصلاح خلق کے لیے کوشش کرے۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل صفحہ نمبر 20)

مرزا غلام احمد نے اپنے کاروبار کا آغاز ایک مصلح کے طور پر کیا جیسا کہ مذکورہ بالا اشتہار سے ظاہر ہے لیکن ساتھ ہی اپنے نبی ہونے کا اعلان بھی برابر کرتے رہتے تھے جب تک ان کے متبعین کی تعداد کم تھی اور ان کی شکارگاہ مسلمان ہی تھے جو ختم نبوت پر ایمان رکھتے تھے اس لیے جب بھی کسی طرف سے گرفت ہوتی تو فوراً تردید کر دیتے لیکن تردید میں بھی اس بات کی گنجائش رکھتے کہ آئندہ بھی حسبِ ضرورت اپنے دعویٰ کا اعادہ کرتے رہیں۔ مثلاً

> ''تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام وتوضیح مرام وازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہوتی ہے یا یہ کہ نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کیے گئے ہیں ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل صفحہ نمبر 313)

نبوت صرف نبوت ہوتی ہے' ایک شخص نبی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ نبوت نہ تو ناقص ہوتی ہے نہ غیر حقیقی' نہ ظلی' نہ بروزی' نہ جزوی۔ مرزا غلام احمد صاحب نے یہ تمام الفاظ صرف مسلمانوں

کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کیے اور بالآخر مرزا غلام احمد صاحب نے ''کمال سادگی'' سے خود کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقام تک پہنچا دیا اور اعلان کر دیا:

''اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ محمد ہے گو ظلی طور پر پس باوجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا پھر بھی سیدنا محمدؐ خاتم النبیین ہی رہا کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم صفحہ نمبر 434)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی جو ایک مصلح کے طور پر شروع ہوا ''کمال سادگی'' سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشست پر مسند نشین ہو گیا اور اب خاتم النبیین مرزا غلام احمد ہے نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اب حق وہ ہے جو مرزا غلام احمد کہے گا یا کرے گا نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل۔ اب قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو اس لیے کہ مرزا غلام احمد اس کی گواہی دیتا ہے نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اب مرزا غلام احمد قادیانی کی وہی حیثیت ہے جو اس سے قبل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تھی اب مرزا غلام احمد کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا کہ اس سے قبل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کفر تھا اس بات کو مرزا غلام احمد نے بالکل واضح کر دیا ہے' وہ اپنی کتاب ''حقیقت وحی'' میں لکھتا ہے' کفر دو قسم کے ہیں:

''(اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔'' (''حقیقت وحی'' صفحہ نمبر 179)

اب ایک قادیانی کے نزدیک مرزا غلام احمد اسی مقام و منصب پر فائز ہے جو مسلمانوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اگر کوئی قادیانی اس سے انکار کرتا ہے تو وہ یا تو خود کو فریب دے رہا ہوتا ہے یا دوسروں کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فریب کا دوسرا نام ''قادیانیت'' ہے۔ ایک قادیانی کے نزدیک کس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مرزا غلام احمد میں فرق نہیں ہے اس کو ایک مساوات کے ذریعے سمجھتے ہیں۔

مساوات کا ایک سوال

$4 = 2 + 2$

$4 = 3 + 1$

پس ثابت ہوا کہ

$2 + 2 = 3 + 1$

مساوات کا دوسرا سوال

مرزا غلام احمد کا انکار = کفر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار = کفر

مرزا غلام احمد کا انکار = محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

پس ثابت ہوا

مرزا غلام احمد = محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں قادیانی اُمت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ مساوات کے مذکورہ بالا حل شدہ سوال کو غلط ثابت کر سکتے ہوں تو کریں چونکہ قادیانی اُمت کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی اسی مقام و منصب پر فائز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس لیے قادیانی اُمت مرزا غلام احمد کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں جو تبدیلی چاہے کر دے یا پوری تعلیم کی تصدیق کر دے اسی طرح وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو یہ حق حاصل ہے کہ قرآنِ کریم میں جو تبدیلی چاہے کر دے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی جو آیات تحریف کر کے نقل کی ہیں، اس کو قادیانی اُمت نے جوں کا توں رکھا ہوا ہے جس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

1- قرآن مجید میں سورۃ الحجر کی آیت نمبر 87 اس طرح ہے:

"ولقد آتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم."

مرزا صاحب نے اس آیت کو اپنی کتاب براہین احمدیہ کی پہلی فصل کے صفحہ نمبر 580 پر اس طرح نقل کیا ہے:

"انّا آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم."

مرزا غلام احمد کی یہ کتاب "براہین احمدیہ" پہلی دفعہ 1880ء میں طبع ہوئی اور اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن قادیانی اُمت نے اس آیہ مبارکہ کو درست نہیں کیا کیونکہ ان کے نزدیک مرزا صاحب نے قرآن کی آیہ مبارکہ کی اصلاح کی جس کا اس کو حق حاصل تھا۔

2- قرآن مجید میں سورۃ انفال کی آیت نمبر 29 اس طرح ہے:

"یاایها الذین آمنوا ان تتقو الله یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاتکم ویغفرلکم والله ذوالفضل العظیم."

اسی آیہ مبارکہ کو مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ نمبر 155 پر اس طرح درج کیا ہے:

"یاایها الذین آمنوا ان تتقوا الله یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیئاتکم ویجعل لکم نورا تمشون به."

مرزا غلام احمد کی یہ کتاب بھی پہلی دفعہ 1883ء میں طبع ہوئی اور اب تک اس کو کئی دفعہ طبع کیا جا چکا ہے لیکن اس آیت کو درست نہیں کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ قادیانی اُمت کے نزدیک مرزا صاحب کو یہ حق حاصل تھا کہ قرآن مجید میں جو تبدیلی چاہے' کر دے۔

3- سورۂ حج کی آیت نمبر 52 قرآن مجید میں اس طرح ہے:

"وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته فینسخ الله ما یلقی الشیطن ثم یحکم الله آیته والله علیم حکیم."

مرزا غلام احمد نے اسی آیہ مبارکہ کو اپنی کتاب "براہین احمدیہ" صفحہ نمبر 655 پر اس طرح درج کیا ہے:

"وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته فینسخ اللہ مایلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ."

باوجود اس کے کہ "براہین احمدیہ" کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں' قادیانی اُمت نے اس آیہ مبارکہ کو درست نہیں کیا۔

سورۂ حج کی اسی آیہ مبارکہ کو مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" کے صفحہ نمبر 234 پر اس طرح درج کیا ہے:

"وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته."

اس کتاب میں بھی اس آیہ مبارکہ کو آج تک درست نہیں کیا گیا۔

مرزا غلام احمد کی یہ کتب (جن میں قرآن مجید کی آیات کو تحریف کر کے درج کیا گیا ہے) کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اور قادیانی اُمت نے ان کو درست نہیں کیا' کیوں؟ اس لیے کہ قادیانی اُمت مرزا غلام احمد کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ قرآن مجید میں تبدیلی کر سکتا ہے اور جو تبدیلی اس نے کی ہے اس کو قادیانی اُمت نے اسی طرح قائم رکھا ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قادیانی حضرات قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ان آیات کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح مرزا غلام احمد نے اپنی کتب میں تحریف کر کے لکھا ہے۔

مرزا غلام احمد کا اصل دعویٰ

مرزا غلام احمد کا اصل دعویٰ بھی یہ ہے کہ وہ آخری نبی ہے اگرچہ اس نے الفاظ یہ استعمال نہیں کیے۔

1- مرزا غلام احمد اپنی کتاب "کشتی نوح" کے صفحہ نمبر 81 پر لکھتا ہے:

"مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا' میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں' میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں' بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔"

مرزا غلام احمد کی کتاب ''کشتی نوح'' 1902ء میں طبع ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت میں ''آخری راہ'' سے مراد ''راہِ نبوت'' اور ''آخری نور'' سے مراد ''نورِ نبوت'' ہے۔

2- مرزا غلام احمد نے اگرچہ چھوٹی بڑی اسی (80) کتب چھوڑی ہیں اگر وہ اس بات کا قائل نہ ہوتا کہ وہ آخری نبی ہے تو وہ اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دیتا اور اپنی اُمت کو اس کی نشانیاں بتاتا تاکہ وہ اسے پہچان سکے لیکن اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

3- قادیانی اُمت بھی کسی نئے نبی کی منتظر نہیں ہے اور مرزا غلام احمد کو ہی آخری نبی سمجھتی ہے۔

میں نے بہائی حضرات کا نقطہ نظر معلوم کرنے کے لیے لاہور کے بہائی مرکز سے رجوع کیا۔ ان کا نقطہ نظر مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ بہائیوں کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی ہے' رسالت ختم نہیں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو ہیں' ختم الرسل نہیں ہیں۔ نبوت و رسالت میں فرق بہائیوں کے نزدیک یہ ہے۔ رسول نئی شریعت لے کر آتا ہے جبکہ نبی گزشتہ شریعت کا اتباع کرتا ہے۔ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ' اللہ کا رسول ہے اور نئی شریعت لے کر آیا ہے اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے اس کے جواب میں جب میں نے یہ عرض کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے اور وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے تو اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

نبوت و رسالت میں فرق

اس موقع پر نبوت اور رسالت میں جو فرق علمائے کرام سے میں نے سمجھا ہے' وہ عرض کر دوں تو مناسب رہے گا۔

نبوت کی تعریف تو میں عرض کر ہی چکا ہوں' نبی اللہ کا وہ بندہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اس منصب کے لیے منتخب کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بنے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے

پیغمبروں (انبیاء راقم) کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امورِ اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمائیں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اوّلاً) وہ کتاب ملی تھی' بعد میں اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے۔ باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے' بفضلِ تعالیٰ بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں' راہِ راست بتا دیتے ہیں۔" (سورۂ بقرہ نمبر 213' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نیک بندوں کو انعام کی خوشخبری دینا اور سرکش بندوں کو سزا کی اطلاع دینا ہے اور اس کے علاوہ ہر اختلافی مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول بھی نبی ہوتے ہیں لیکن ان کے سپرد کسی قوم پر حجت تمام کرنا ہوتا ہے' اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"ان سب کو خوشخبری دینے والے رسول بنا کر اس لیے بھیجا تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان رسولوں کے بعد کوئی عذر نہ رہے اور اللہ تعالیٰ زور والے اور حکمت والے ہیں۔" (سورۂ نساء نمبر 165' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

نبی اور رسول کے فرق کو اس مثال سے باآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر ڈپٹی کمشنر سی ایس پی ہوتا ہے لیکن ہر سی ایس پی ڈپٹی کمشنر نہیں ہوتا اسی طرح ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ سی ایس ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ امیدوار کسٹم میں چلے جاتے ہیں' کچھ انکم ٹیکس میں' کچھ آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں اور کچھ ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ میں چلے جاتے ہیں اب کسٹم آفیسر بھی سی ایس ایس ہے اور ڈپٹی کمشنر بھی سی ایس ایس ہے لیکن فرائض میں فرق ہے۔

کسٹم آفیسر کی ذمہ داری صرف ٹیکس وصول کرنا ہے جبکہ ڈپٹی کمشنر کی ذمہ داری ضلع میں امن وامان کا قیام ہے۔ڈپٹی کمشنر کسی بھی مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دے سکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں قوت استعمال کرسکتا ہے خواہ اس کے نتیجہ میں کچھ اموات ہی کیوں نہ ہو جائیں پھر بھی اس کا حکم بالکل قانونی ہوگا اور اس سے کوئی باز پُرس نہ ہوگی۔اس کے برعکس کسٹم آفیسر بھی اگرچہ سی ایس ایس ہے لیکن وہ کسی مجمع کو منتشر ہونے کا حکم نہیں دے سکتا اور اگر دے گا تو وہ غیر قانونی ہوگا۔

اس مثال سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول بھی نبی ہوتا ہے لیکن اس کے فرائض (Assignments) ایک نبی سے زائد ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ایک رسول کسی قوم پر اتمام حجت کر دیتا ہے تو اگر وہ قوم رسول کا اتباع نہ کرے تو اس پر لازماً عذاب نازل ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

> ''اے میری قوم! میں تمہارے پاس صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ تم اللہ کی عبادت کرو (یعنی توحید اختیار کرو) اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔'' (سورۂ نوح نمبر 3-2 'ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کے جواب میں ان کی قوم کا طرزِ عمل یہ تھا:

> ''اور کہا انہوں نے ہرگز مت چھوڑو معبودوں کو اپنوں کو اور مت چھوڑو ودکو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث' یعوق اور نسر کو'' (سورۂ نوح نمبر 23 'ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے نہ بت پرستی ترک کی نہ توحید اختیار کی تو اتمام حجت کے بعد ان پر عذاب آ گیا اور صرف وہی لوگ اس عذاب سے نجات حاصل کر سکے جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے (اہلِ مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم! تم (صرف) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں اور تم ناپ تول میں کمی مت کیا کرو (کیونکہ) میں تم کو فراغت کی حالت میں

دیکھتا ہوں اور مجھ کو تم پر اندیشہ ہے ایسے دن کے عذاب کا جو انواع مصائب کا جامع ہوگا اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور (شرک اور نقص حقوق کر کے) زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔"

(سورۂ ہود نمبر 85-84' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مذکورہ بالا آیات کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کے ذمہ یہ فرض تھا کہ وہ اپنی قوم کو شرک سے روکیں اور ناپ تول میں کمی بیشی کرنے سے باز رکھیں لیکن ان کی قوم نے کہا:

"انہوں نے کہا اے شعیب بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو اپنے مجمع میں کمزور دیکھ رہے ہیں اگر تمہارے خاندان کا (کہ ہمارے ہم مذہب ہیں ہم کو) پاس نہ ہوتا تو ہم تم کو (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری کچھ توقیر نہیں۔" (سورۂ ہود نمبر 91' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

چنانچہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کا اتباع نہ کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے حجت تمام کر دی تو پھر وہی ہوا جو ایک رسول کی تکذیب کرنے والی قوم کے ساتھ ہوتا ہے۔

"اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لیے) پہنچا (تو) ہم نے (اس عذاب سے) شعیب اور جو ان کی ہمراہی میں اہلِ ایمان تھے' ان کو اپنی عنایت (خاص) سے بچا لیا اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے آ پکڑا سو اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے رہ گئے جیسے کبھی ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ خوب سن لو (اور عبرت پکڑ لو) مدین کو رحمت سے دُوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دُور ہوئے تھے۔" (سورۂ ہود نمبر 95-94' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

میں نے اللہ تعالیٰ کے دو رسولوں کا ذکر کیا ہے' اس فہرست میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی طرف اپنے رسول کو مبعوث کیا تو اس

اتمام حجت کی متعین ڈیوٹی دی اور اگر قوم نے اتباع نہ کیا تو قوم پر عذاب آ گیا اور عذاب سے صرف وہی بچ سکے جنہوں نے رسول کا اتباع کیا تھا۔ رسول اور نبی میں وہی فرق ہے جو ڈپٹی کمشنر اور کالج کے پروفیسر میں ہوتا ہے۔ رسول کی ذمہ داری اتمام حجت ہوتی ہے جبکہ نبی کی ذمہ داری پروفیسر کی طرح تعلیم، ترغیب، رسول کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے کا انجام اتمام حجت کے بعد دنیا میں عذاب اور آخرت کا خسران ہے اور نبی کی تعلیم کو قبول نہ کرنے کا انجام بھی آخرت کی بربادی ہے جس طرح پروفیسر کی تعلیم قبول نہ کرنے والے کا انجام بھی خوشگوار نہیں ہوتا اگرچہ فوری طور پر سزا نہیں ملتی۔

خلاصہ کلام

اب تک کی بحث سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ:

(1) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت کو (جو تا قیام قیامت ہے) ختم کر دیتا ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت نے ماقبل انبیائے کرام کے دورِ نبوت کو ختم کر دیا ہے۔

(2) نئے نبی کی نبوت پر ایمان لانے والے انبیائے ماقبل پر ایمان نئے نبی کی سند پر ہی رکھیں گے۔

(3) نیا مدعی نبوت اس بات کا حق رکھے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چاہے تو منسوخ کر دے۔

امید ہے اب تک یہ محقق ہو چکا ہوگا کہ گزشتہ انبیاء میں کسی کا یا سب کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت میں زندہ ہونا یا زندہ ہو جانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت ممکن ہی نہیں جس طرح یہ ممکن نہیں کہ خدا دو بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب سلسلہ نبوت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنا فیصلہ تبدیل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

"ما کان محمد ابا احدمن رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم

النبیّن و کان اللہ بکل شیئی علیماً۔" (سورۂ احزاب)

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔"

(سورۂ احزاب نمبر 40 'ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اس آیہ مبارکہ کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ کر دی اور مثبت و منفی دونوں طرح کر دی۔

"میں آخری نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اگر کوئی شخص اس آیت کی کوئی دوسری تشریح کرتا ہے تو وہ اعلان کرتا ہے کہ قرآن اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا لیکن وہ اس کو نہ صحیح سمجھ سکے اور نہ صحیح سمجھا سکے اور اس سے بڑھ کر گمراہ کن نقطہ نظر کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ انسانی تاریخ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد شخص ہیں کہ انہیں ان کی زندگی میں ان کی قوم نے سب سے زیادہ سچا جانا' پہچانا' قبول کیا اور پھر ان کا اس طرح اتباع کیا کہ انسانی تاریخ اس کی دوسری نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے جو کچھ کیا اور کہا' وہ حق تھا صرف حق تھا اور حق کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات کو تا قیام قیامت واجب الاطاعت بنا دیا اور ان کے لائے ہوئے حق (کتاب و سنت) کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا کہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی نہ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ اُمتِ مسلمہ میں اس مسئلہ پر کبھی بھی دو آراء نہیں پائی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں اور ان کی موت کے بعد اسود عنسی' طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذاب (جو مدعی نبوت تھے) سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام نے صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں یہ سوال نہیں پوچھا تھا کہ وہ ظلی نبی ہیں' بروزی نبی ہیں' حقیقی نبی ہیں' اُمتی نبی ہیں' غیر حقیقی نبی ہیں' کسی کے فیض سے نبی بنے یا اپنے لیے "نبی" کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال کر رہے ہیں بلکہ انہیں اس انجام تک پہنچا دیا جس کے وہ حق دار تھے لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت سے یہ سوال بھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ اس کے پاس دعوئ نبوت کی دلیل کیا ہے یا کس قسم کی نبوت کا وہ مدعی ہے' وہ بالیقین کذاب ہے۔

نئی نبوت کی ضرورت ہی نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کی نہ تو شرعاً گنجائش ہے اور نہ عقلاً۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی نبی کے آنے کی ممکنہ صورتیں چار ہو سکتی ہیں:

(1) کسی قوم میں اس سے پہلے کوئی نبی نہ آیا ہو یا کسی نبی کی تعلیمات ان تک نہ پہنچی ہوں۔

(2) پچھلے نبی کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی ہو لہٰذا ان تعلیمات پر عمل کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

(3) کسی نبی کی مدد کے لیے کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہو۔

(4) پچھلے نبی کی تعلیمات نامکمل ہوں اور دین کی تکمیل کے لیے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کی مندرجہ بالا چاروں ممکنہ صورتیں ختم ہو چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جن انبیاء کو مبعوث کیا' ان کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر بیان کی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کی جانب ہدایتِ الٰہی لے کر پہنچا اور اللہ کی جانب سے سونپی گئی ذمہ داری کا حق ادا کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا تخصیص قوم تمام انسانوں کی جانب قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود آپ کی زبانی یہ اعلان کرایا:

"قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً."

(الاعراف:158)

"آپ کہہ دیجیے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔" (سورۂ اعراف 158' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اور پھر آپ تعلیماتِ الٰہی کو عام کرنے میں مصروف ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو دینِ اسلام عرب کی حدود سے باہر نکل چکا تھا۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کون سی جگہ ایسی ہے جہاں آپ کی تعلیمات موجود نہ ہوں؟ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں قرآن موجود نہیں؟ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں احادیث کی کتب موجود نہیں؟ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں سیرتِ طیبہ کی کتب موجود نہیں ہے؟ قرآن مجید کے تراجم صرف مسلمانوں نے نہیں کیے بلکہ غیر قومیں بھی تراجم کیے بغیر نہیں رہ سکیں۔ سیرت کی کتابیں صرف مسلمانوں نے تحریر نہیں کیں' غیر مسلم بھی اس لطف ولذت سے آشنا ہو چکے ہیں لہٰذا جب آپ کو تمام انسانیت کے لیے رسول بنا کر بھیج دیا گیا' آپ کی تعلیمات بھی دنیا کے ہر گوشے تک پہنچ چکی ہیں تو پھر کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

نئے نبی کے آنے کی دوسری صورت یہ بتائی گئی کہ پچھلے نبی کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی ہو اور ان پر عمل کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

آپ کے آنے کے بعد یہ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت' ہدایات' تعلیمات نہ صرف موجود ہیں بلکہ محفوظ ہیں اور محفوظ کیوں نہ ہوں اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس شریعت کو بھیجنے والے نے خود اُٹھالی۔

"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون." (الحجر:9)

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان ہیں) (الحجر نمبر 9' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اس حفاظت کے وعدہ کے بعد اس میں تحریف ممکن ہی نہیں اور اللہ کا یہ چیلنج آج بھی موجود ہے۔

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورة من مثله و ادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صادقین." (البقرہ:23)

"اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک عدد ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور

بلالو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے (الگ) تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو۔" (سورۂ بقرہ نمبر 23' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

چنانچہ نئے نبی کے ظہور کی یہ گنجائش بھی ختم ہوگئی' آپ کی لائی ہوئی شریعت نہ صرف موجود ہے بلکہ اسی شکل میں موجود ہے جس میں نازل ہوئی۔

پھر آپ کی سنتِ مبارکہ کو محفوظ کرنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام نے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا اور اطاعت کا جو حق ادا کیا' تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تعلیمات تو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' سونا جاگنا' پسند ناپسند' لباس' کنگھی' خوشبو غرض حلیہ مبارک تک چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی محفوظ کر لی گئی۔

نئے نبی کی آمد سے متعلق تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک نبی کی مدد کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات محسوس کرے کہ ایک نبی کی مدد کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت ہے تو ایک نبی کی موجودگی میں دوسرے نبی کو بھی اللہ تعالیٰ مبعوث کر دیتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا گیا۔

اب اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے کسی نبی کی ضرورت ہوتی تو وہ آپ کی زندگی ہی میں بھیجا جاتا کیونکہ ایسی مدد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فائدہ دے سکتی تھی نہ کہ بعد میں اور اگر زندگی میں ایسا نہیں ہوا تو وفات کے بعد اس کی قطعاً گنجائش موجود نہیں پھر ایسی شخصیت کو مدد کی ضرورت بھی کیوں ہوگی جس کے متعلق اس کا بھیجنے والا یہ اعلان کر دے:

"وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی." (النجم:4)

''اور نہ آپ اپنی خواہشاتِ نفسانی سے باتیں بناتے ہیں' ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔'' (ترجمہ اشرف علی تھانویؒ)

چوتھی ممکنہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پچھلے نبی کی تعلیمات نامکمل ہوں اور دین کی تکمیل کے لیے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔ الحمد للہ! یہ ضرورت بھی ختم ہو چکی ہے کیونکہ آپ پر دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ آج دین اپنی مکمل شکل میں موجود ہے' اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دین کی یہ خوشخبری 10 ہجری میدانِ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنے بندوں تک پہنچا دی:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت

لکم الاسلام دیناً" (المائدہ:3)

"آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔" (ترجمہ مولانا تھانویؒ)

کسی نئے نبی کے ظہور کی ممکنہ ضرورتوں کا تفصیلاً جائزہ لینے کے بعد یہ امر طے ہو گیا کہ اب کسی نئے نبی کی قطعاً ضرورت باقی نہیں۔ رہا دین کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری تو وہ اب کسی نبی کی ذمہ داری نہیں بلکہ اُمتِ مسلمہ کی ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر." (آل عمران:110)

"تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔" (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

عقیدۂ ختم نبوت دین کے بنیادی عقائد اور اہم معاملات میں سے ہے اس کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے پر ایمان و کفر کا دارومدار ہے اگر یہ عقیدہ صحیح نہیں اور کوئی اسے تسلیم کرے تو وہ کافر اور اگر یہ عقیدہ صحیح ہے اور کوئی اسے تسلیم نہ کرے تو کافر عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ اتنے اہم عقیدے کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صحیح رہنمائی نہ کریں اور بات گول مول کر دی جائے جس طرح آپ کے نبی آخر ہونے کے دلائل فراہم کیے گئے اسی طرح اگر کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو اس کے آنے سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ اور نبی کی جانب سے ہمیں بتا دیا جاتا کہ اور نبی آئیں گے تم ان پر بھی ایمان لے آنا۔ مثلاً

سورۂ نساء کی یہ آیت اس طرح کہنے کے بجائے:

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور (ان کی جو) تم میں صاحبِ امر ہیں۔" (النساء:59)

یہ آیت اس طرح ہوتی:

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو'رسولؐ کی اطاعت کرو اور جو ان کے بعد رسول آئیں گے'ان کی بھی اطاعت کرو۔''

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما جاتے:

''میرے بعد بھی نبی آئیں گے'تم ان پر بھی ایمان لانا''

جبکہ آپ نے یہ صراحت فرمادی:

''لا نبی بعدی''

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدے کی جس طرح وضاحت فرما دی ہے کہ اب اس میں کسی شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کو تسلیم نہیں کرتا۔

ماکان محمد ابا احدمن رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئی علیماً۔'' (احزاب:40)

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

(ترجمہ اشرف علی تھانویؒ)

وہ سوائے کافر کہلانے کے اور کچھ استحقاق نہیں رکھتا۔قرآن مجید سے بھی ایسے منکرین کا کافر ہونا ہی ثابت ہوتا ہے جو آپ کے حق اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں۔

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 32 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکفرین۔''

آپ (یہ بھی) فرمادیجیے کہ تم اطاعت کیا کرو'اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے۔''(ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی نے واضح کر دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت ہی نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعے مکمل کر دیا' اپنی نصیحت پوری کر دی۔ قرآن اور سنت کو تا قیامت محفوظ کر کے نسلِ انسانی پر اپنی حجت پوری کر دی اور کارِ رسالت اُمتِ مسلمہ کے سپرد کر دیا کہ وہ قرآن مجید کے ذریعے نسلِ انسانی پر اسی طرح اتمامِ حجت کرتی رہے جس طرح سید ولد آدم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کیا تھا اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہیں اور اپنے مسلمان حکمرانوں کی بھی معروف میں اطاعت کرتے رہیں اگر حکمرانوں کے ساتھ کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی دی ہوئی ہدایت کی روشنی میں فیصلہ کریں اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی نے مبعوث ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ نہ ہوتا کہ اپنے اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف Refer کریں۔

میں نے جناب قمر احمد عثمانی صاحب کے رسالہ ''حیاتِ مسیح اور ختمِ نبوت'' کے بارے میں اپنی گزارشات عرض کر دی ہیں اور مسئلہ زیر بحث کے دوسرے پہلو یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے دعویٰ نبوت کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں' کا جائزہ بھی حسبِ توفیق واستعداد لے لیا ہے اس بات کا فیصلہ قاری ہی کر سکتا ہے کہ میں اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ میں تو صرف عرض کر سکتا ہوں کہ میرے جیسے گناہ گار انسان کے لیے اس موضوع کا حق ادا کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ جس ذاتِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے اس موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے' اس کے بارے میں بصد عجز و نیاز صرف یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ:

''بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر''

میری تحریر میں اگر کوئی خیر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم اور اگر میری تحریر میں کسی پہلو سے کوئی کمی ہے تو اس کی وجہ میری کم علمی ہے۔ میں قاری سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ اس دعا میں شریک ہو کہ اگر میری تحریر میں کوئی خیر ہے تو اے میرے رب اسے پڑھنے والوں کے لیے پر اثر بنا دے اور اگر اس میں کوئی گمراہی ہے تو مجھے اور پڑھنے والوں کو بھی اس سے اپنی پناہ میں رکھ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلوٰۃ وسلام علی رسولہ الکریم

کتابیات

اس مضمون میں جن کتب سے حوالے دیئے گئے ہیں' وہ درج ذیل ہیں:

(1) قرآن مجید ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی و شاہ رفیع الدین
(2) تدبر قرآن از مولانا امین اصلاحی
(3) قرآن مجید ترجمہ از مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی اُمتِ قادیانی
(4) ترجمہ قرآن از انگریزی از آرتھر جے آربری
(5) تحقیق عارفانہ از قاضی محمد نذیر قادیانی
(6) ازالہ اوہام از مرزا غلام احمد قادیانی
(7) براہین احمدیہ حصہ چہارم از مرزا غلام احمد قادیانی
(8) راز حقیقت از مرزا غلام احمد قادیانی
(9) شہادت القرآن از مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
(10) تاریخ عالم بزبان انگریزی از جے ایم رابرٹس
(11) عمر فاروقِ اعظم از محمد حسین ہیکل
(12) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد پنجم
(13) بائبل یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ شائع کردہ بائبل سوسائٹی' لاہور
(14) حقیقت الوحی از مرزا غلام احمد قادیانی
(15) مجموعہ اشتہارات از مرزا غلام احمد قادیانی
(16) کتاب البریہ از مرزا غلام احمد قادیانی
(17) تربیت عالم از منشی عبد الرحمٰن
(18) تذکرہ (مجموعہ الہامات) مرزا غلام احمد قادیانی
(19) اسلامی قربانی از یار محمد ایڈووکیٹ کانگڑہ (حال انڈیا)

ہماری نئی کتابیں

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم	افضل کریم خاں درانی	90/-
اقبالؒ کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ	پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر	300/-
مغربی جمہوریت۔ حقیقت اور سراب	ڈاکٹر مستفیض احمد علوی	150/-
الموسوعۃ القضائیہ ﴿عربی ایڈیشن﴾ رسولؐ کریم کے عدالتی فیصلوں کا مستند مجموعہ	نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر جمیل حسن	300/-
الموسوعۃ القضائیہ ﴿اردو ایڈیشن﴾	نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر جمیل حسن	250/-
جہانِ حیرت ﴿خود نوشت سوانح حیات﴾	سردار محمد چوہدری	600/-
وجود باری تعالیٰ	پروفیسر ڈاکٹر محمد وسیم اکبر شیخ	90/-
پنجاب پولیس۔ سچ کیا ہے	سردار محمد چوہدری	350/-

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 7320318
ای میل: hikmat100@hotmail.com

ISBN 969-8773-07-X

Rs. 90/-